زندگی کی حقیقت

آغا واصف حسین

ناشر دار التبلیغ اسلامی شاخ نارنگ جہلم

اظہارِ حقیقت

آغا آصف حسین

ناشر دار التبلیغ اسلامی شاخ نارنگ جہلم

نام کتاب ______ اظہارِ حقیقت
مصنّف ______ آغا واصف حسین
ناشر ______ دار التبلیغ اسلامی
تعداد ______ ایک ہزار
کتابت ______ افضل الکتابت بلاک ۹ سرگودھا
پریس ______ القائم آرٹ پریس سرگودھا
قیمت ______ چار روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حرفِ حق

اگر آپ ادھر بھی توجہ کریں تو ۔

آپ کو علم ہے کہ مذہب حقّہ شیعہ اثنا عشریہ کے خلاف سیاسی اغراض کے تحت اکثریت کی بغل میں
اہ گزین مٹھی بھر افراد پر مشتمل گروپ کی محاذ آرائی کی تمام تر توانائی جھوٹے سکّوں کا مجموعہ ہے۔ جو
حق پرست ہوتے ہیں وہ تیر و تفنگ کو کام میں نہیں لاتے بلکہ علم اور اخلاق کا حربہ استعمال کر کے
ں کو اپنے گرد جمع کرتے ہیں۔ شیعہ قوم کا ہر سنجیدہ شخص جانتا ہے کہ تحریک خدّام اہل سُنّت کا بانی اہل
ت سے نہیں ہے مگر اپنے کو سُنّی بتا کر یہ چاہتا ہے کہ شیعہ اور سُنّی آپس میں دست بگریباں ہوں اور وہ
رفادان معتقدین سے دولت وصول کرنے میں مصروف رہے۔ اس لئے ہم نے ہمیشہ اس کی حرکات کو نظر انداز
بگر ہم نے دیکھا ہے کہ ہماری خاموشی کو کمزوری تصوّر کر لیا گیا ہے ۔ اور آج دیواروں اشتہاروں بسوں
بیکیوں تک کے اندر باہر کتبے لٹکا کر شیعہ قوم کے خلاف دانستہ نفرت و حقارت کے جذبات کو ابھارا جا
ہے۔ اہل سُنّت حضرات کو اچھی طرح علم ہے کہ یہ شخص اخلاقی حدود کو پھاند کر آل محمد علیہم السلام کے
ل و شرف کے روشن سورج پہ خاک پھینکنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ اور اہل سُنّت جو محبت آل رسولؐ
ے دعویدار ہیں خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ اور شیعہ قوم مجبور ہے کہ اس کی دریدہ دہنی کا مسکت
ب دے۔ اس پمفلٹ میں ادارہ نے صرف یہ کوشش کی ہے کہ اس تحریک پہ سنّیت کا چڑھا ہوا غلاف اتار
پھینک دیا جائے کہ اس تحریک کے بانی وہی لوگ ہیں جو پاکستان کی "پ" کے بھی خلاف تھے اور آج پاکستان
ے محافظ بن کر سامنے آنے کی کوشش میں ہیں، حالانکہ ان کا مقصد پاکستانی قوم میں پھوٹ ڈال کر ملک

کو نقصان پہنچانا ہے۔ یہ اپنی پرانی سکیم اکھنڈ بھارت کو کامیاب کرنے کے لئے پاکستانی مسلمانوں کو ایک دوسرے
سے ہٹا کر پارہ پارہ کرنے کی فکر میں ہیں۔ ورنہ مذہب نہیں سکھاتا۔ آپس میں بیر رکھنا، پاکستان میں بسنے
بالعموم اور ضلع جہلم کے باسی بالخصوص بھائی بھائی ہیں۔ باپ سُنی ہے تو بیٹا شیعہ۔ ایک خاندان میں چند سُنی
ہیں اور شیعہ بھی۔ آپس میں قربت داریاں ہیں، کاروبار میں شراکت ہے۔ کھانا پینا ایک ہے۔ سود و زیاں
ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ نصف صدی پہلے یہاں شیعہ مذہب کے لوگ گنتی میں چند تھے۔ گنتی کے چند
گاؤں میں عزاداری ہوتی تھی۔ مگر عزاداری پر پابندی ہونے کی وجہ سے آج تحصیل چکوال میں شاید ہی
بدقسمت گاؤں ہو جہاں مجالس اور جلوس عزاء کا سلسلہ جاری نہ ہو چکا ہو۔ مذہب حق میں اس قدر جاذبیت
ہے قلیل مدت میں قلیل تبلیغی سرگرمیوں اور مولوی کرم دین جیسے تنگ نظر سُنی مولوی کے گمراہ کن پراپیگنڈہ
کے باوجود شیعہ قوم کی تعداد میں دن رات اضافہ ہوتا چلا گیا جس قوم کے خلاف یہ جھوٹا پروپیگنڈہ کیا
تھا کہ روزہ ماہ رمضان نہیں رکھتے، حج نہیں کرتے۔ اس قوم کے ہزاروں لوگ جلوس
ہائے عزاء کے دوران اوقات نماز میں باجماعت نماز ادا کر کے اپنا غازی ہونا ثابت کرتے ہیں جس گاؤں
شیعہ کی تعداد مناسب ہے وہاں بے نماز موجود ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے ایک دینی علوم کا ادارہ ایسا
تحصیل میں موجود ہے جو شیعہ قوم کی علم دوستی اور دین داری کا پختہ نشان ہے۔ مدرسہ کلیۃ النجف نارنگ
شیعہ نشر و اشاعت نے "اہل اسلام کلمہ ایمان" کی صورت میں اصلی کلمہ اسلام کی حقیقت کو واضح کیا جن کا
جواب تو دینے کی جرأت نہیں کی گئی، البتہ مولوی صاحب نے یہ فرمایا کہ ہم ولایت علی علیہ السلام کا انکار نہیں
کرتے۔ ہم تو صرف ان کی خلافت بلافصل کے انکاری ہیں۔ انصاف تو یہ تھا کہ خلافت بلافصل انکاری
چادر کے اندر رہ کر خلافت راشدہ کو گلے سے لگائے رکھتا ہمیں کیا اعتراض تھا مگر اس نے اعلانیہ کہنا
کر دیا کہ شیعہ اذان میں یہ جملہ اہل سنت کی دل آزاری کا باعث ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ خلافت راشدہ کا
نصوص کتاب اور سُنت نبی کریمؐ سے ثابت نہیں ہے۔ شیعہ خلافت راشدہ حق چار یار کے قائل نہیں
شیعہ صرف "العلی مع الحق والحق مع علیؑ" کے قائل ہیں۔ خلافت علی علیہ السلام کو منصوص من اللہ
ہیں۔ جیسا کہ ہم نے کلمہ ایمان میں وضاحت کی ہے۔ مگر اہل سُنت کے اس عقیدہ سے ہماری دل آزاری
نہیں ہوتی کیونکہ ہر گروہ کو اپنا اپنا دین مبارک ہو۔

تاہم ادارہ نے "اذان" پر ایک مدلل بحث بینتی کی ہے جو عنقریب طبع ہو کر مسلمانوں کے سا

بھی جائے گی۔ اور منصف مزاج حضرات سے فیصلہ کی اپیل کی جائے گی۔

علاوہ ازیں عقائد اسلام پر ایک مستند کتاب الکلم الطیّب کا اردو ترجمہ کر کے اس کو مفید عام بنایا بارہا ہے یہ کب ممکن ہے۔ جب آپ اس علمی اور دینی ادارہ کی بھرپور حمایت کریں۔ ادارہ کی نشریات خرید ر اہل سنّت عوام میں مفت تقسیم کریں۔ آپ کے صدقات، خیرات زکواۃ، سہم مبارک، زکواۃ فطرہ، کھال بانی کے حقدار طلبا ر دین ہیں۔ ہر چھ ماہ بعد صرف ایک روپیہ فی کس ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ کو عطا کریں مدرسہ دفاعی قلمی محاذ پر کما حقہ توجہ دے سکے۔

مدرسہ کی بلڈنگ نامکمل پڑی ہے۔ مدرسہ میں طلباء اور علماء نماز پڑھتے ہیں اس لئے مسجد ہے یاء اور علماء مجالس عزاء برپا کرتے ہیں اس لئے امام بارگاہ بھی ہے۔ مساجد۔ امام بارگاہ اور مدارس بقیہ صدقہ جاریہ ہے۔ جب تک یہ جاری رہیں گے آپ کے نامہ عمل میں ثواب درج ہوتا رہے گا۔ اگر آپ ں دنیاء فانی کو چھوڑ جائیں تو بھی نامہ عمل کھلے رہے گا۔ علاوہ ازیں مدرسہ کا وجود آپ کے قومی وقار اور نخص کا نشان ہے۔ آپ اس نشان کو قائم رکھ کر اپنے قومی وقار کو مضبوط اور بلند کر سکتے ہیں۔ ادارہ امید ہے کہ آل محمد علیہم السلام کے شیدائی قومی زندگی کے اس واحد ذریعے کو آگے بڑھنے میں مدد دیں گے (والسلام)

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ عالم کا مطالعہ بتاتا ہے کہ پتھر اور دھات کے زمانے گزر گئے حکمائے یونان
کے فلسفہ کا دَور ختم ہو گیا۔ان کی عقلی موشگافیاں بھولی بسری باتیں ہو کر رہ گئیں۔اب ی
سائنسی دَور ہے۔دنیا کی ہر شے پر سائنس کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔سائنس کی ترقی نے ایٹم
کو جنم دیا۔اب امن ہو یا جنگ انسانی زندگی کے اکثر شعبوں میں ایٹم ہی کارفرما ہے۔لہذا ا
دَور کو ایٹمی دَور کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔

سائنسی دور ہو یا ایٹمی زمانہ۔کوئی صاحب شعور اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ موجو
دَور انسان کی مادی ترقی کا انتہائی ترقی یافتہ دَور ہے۔انسان کی اس مادی ترقی کی مثال قرو
ماضیہ اور ازمنہ وسطی میں ڈھونڈنے سے بھی مِل نہیں سکتی۔یہی وہ دَور ہے کہ جس میں انسان
نگاہیں ایک طرف زمین کی تہ تک پہنچ رہی ہیں اور دوسری طرف آسمان کی بلندیوں کا جا
لے رہی ہیں حضرت انسان زمین کا سینہ چیر کر اس سے اس کے خزانے اگلوا رہا ہے،اور اُن
اپنے تصرّف میں لا رہا ہے۔سمندر کی گہرائیوں کو ناپنے کے لئے ڈبکنی کشتیوں میں بیٹھ کر پانی میں غ
لگا رہا ہے،بحری جہازوں میں سوار ہو کر سطح سمندر پہ دندنا رہا ہے۔لوہے اور لکڑی کو ملا کر ہ
اڑا رہا ہے۔مہینوں کا سفر منٹوں میں طے کر رہا ہے۔

دنیا کے نقشہ کو دیکھ کر ارض اللہ (اللہ کی زمین) کی وسعتوں کا اندازہ ہوتا ہے اور انس
یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے کہاں یہ ملک خداداد پاکستان،کہاں امریکہ اور کہاں افغانستان۔مگر یہ
کے عقل و فکر کی معراج ہے۔انسانی سوچ و بچار کی بلندی ہے۔کہ انسان نے زمین کی طنابیں کھینچ کر

اور مغرب کو ملا دیا، شمال اور جنوب کو ایک کر دیا۔ امریکہ، انگلینڈ، روس اور جرمنی، پاکستان اور ہندوستان کو ایک شہر کے مختلف محلے بنا دیا۔ اب اگر کوئی بریک فاسٹ (صبح کا ناشتہ) کراچی میں کرے، تو لنچ (دوپہر کا کھانا) لندن میں کھائے۔ اور ڈنر (شام کا کھانا) نیویارک یا واشنگٹن کے کسی فلک بوس ہوٹل میں نوش فرمائے۔ غرضیکہ انسان نے جہاں رفتار میں اس قدر سرعت پیدا کی اور قرب و بعید کے فاصلے مٹا دیئے۔ وہاں ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی گراف اور ٹیلی فون کی ایجادوں سے گفتار میں بھی دور اور نزدیک کا سوال ختم کر دیا۔

اب تو انسان کی مادی ترقی کی حدود اور زیادہ وسیع ہو گئی ہیں خلیفۃ اللہ فی الارض زمین کا وارث اپنی ارضی میراث کے ظاہری اور پوشیدہ خزانوں پر تصرف حاصل کرنے کے بعد ملکوتی سرحدوں میں جا گھسا ہے اور اس کی چاند تک پہنچنے کی دلی تمنا پوری ہو چکی ہے۔

موجودہ دور جس کو انسان کی مادی ترقی کا انتہائی ترقی یافتہ دور خیال کیا جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ الحاد و زندقہ کا دور ہے۔ یہ زمانہ جس کو روشنی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ زمانہ کفر اور گمراہی کی ظلمت کا زمانہ ہے یہ دور ہے جس میں انسان انسانیت سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ شرافت نفس اور اخلاقی قدریں غریبی کا بہانہ اور ماضی کا افسانہ بن رہی ہیں۔ مادیت غالب اور روحانیت پست ہوتی جا رہی ہے۔ صرف پست ہی نہیں بلکہ دنیا سے مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ امپیریلزم مٹ رہا ہے۔ کمیونزم بڑھ رہا ہے۔ نوجوانوں کے دل و دماغ پر لامذہبیت اثر پذیر ہو رہی ہے۔ گوئٹے، نطشے، ڈی کارٹس اور برگسان وغیرہ ملحدین یورپ کا ملحدانہ فلسفہ ان کے رگ و ریشہ میں اس قدر سرایت کر چکا ہے۔ کہ مذہب کو بھی انہیں ملحدین کے فلسفہ کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش ان نوجوانوں کی عادت ثانیہ بن چکی ہے ان مغرب زدہ نوجوانوں کی اس روش کے پیش نظر اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا۔

بھولتا جاتا ہے یورپ آسمانی باپ کو
بس خدا سمجھا ہے اس نے برق اور بھاپ کو
برق گر جائے گی اک دن اور اڑ جائیگی بھاپ
دیکھنا اکبر بچائے رکھنا اپنے آپ کو

انسانی عقل کے کرشموں اور بلند پروازیوں کے لئے بہتر تو یہ تھا۔ کہ انسان مادی میدان کو ہی

اپنے نرس عقل کی جولانگاہ بناتا۔ اپنی تحقیق اور تجسس کو صرف مادیت تک محدود رکھتا۔ دینی اور مذہبی امور میں اپنی ریسرچ کو دخل دینے سے باز رکھتا۔ تو مذہب کی یقیناً یہ حالت نہ ہوتی جو آج اس ترقی یافتہ دور میں ہو رہی ہے۔

دوسرے مذاہب کے قطع نظر صرف اسلام کو لیجئے جو بعنوان خدا اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ خدا کا پسندیدہ اور برگزیدہ دین ہے جبکی سطوت اور شوکت کا یہ عالم کہ اس کی بدولت خاک کے ایک پتلے کے آگے ملائکہ کی نورانی پیشانیاں جھک گئیں جس کی رفعت اور جاہ و حشمت کی یہ حالت کہ اس کے سامنے ابلیس ذراسی اکڑ دکھانے پر ذات حق کے فرمان فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ ہ قیامت تک رانۂ درگاہ الہی ہوگیا۔ اب یہ قیامت تک مقبول و مرحوم اور موفق التوبہ نہیں ہو سکتا۔ جو قیامت تک محل رحمت نہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہوگا۔ پھر قیامت کے دن اس کے مرحوم ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں۔ جس کی عداوت نے قابیل کو تعر ذلت میں ڈال دیا۔ جس کی سرکشی نے قوم نوح کو طوفان کا لقمہ بنا دیا۔ جس کی دشمنی نے عاد اور ثمود جیسی قوی تر قوموں کو فنا کے راستہ پر ڈال دیا۔ جس کی مخالفت میں شداد جیسا جابر و قاہر بادشاہ ذلیل اور رسوا ہوا۔ نمرود اس کے بغض و حسد کی آگ میں زندگی بھر جلتا رہا۔ لیکن اس کا بال تک بیکا نہ کر سکا۔ بالآخر مچھر جیسی حقیر شے کے ہاتھ سے ذلیل و خوار ہو کر واصل جہنم ہوا۔ جس کے جاہ و جلال نے فرعون کو رود نیل میں غرق کیا۔ جس کے احکام سے انکار کر کے قارون زمین میں دھنس گیا۔ جس کے مٹانے کی کوششیں کرتے کرتے ابوجہل اور ابولہب جیسے قریشی سردار خود مٹ گئے لیکن اسلام نہ مٹ سکا۔

شجر اسلام جس کی بارآوری کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آبیاری کرتے رہے۔ جس کو درجہ اکملیت تک پہنچانے کے لئے خاتم الانبیاء، حبیب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم قسم کے مصائب جھیلے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کیں تو اللہ تعالیٰ نے اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے خلعت سے سرفراز فرمایا۔

آہ! آج اسلام وہ اسلام نہیں رہا، اس کی شوکت و حشمت بھولی بسری داستان بن چکی ہے۔ اس کا جاہ و جلال قصہ پارینہ ہو چکا ہے۔ اسلام جو اقوام عالم کے اختلافات ختم کرانے اور جھگڑے مٹانے کے لئے آیا تھا آج وہ خود تفرقہ بازی میں مبتلا مباحثوں اور مناظروں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ اسلامی فرقوں

میں ان گنت مسائل ما بہ النزاع۔ جنکی بنا پر آئے دن مختلف اسلامی فرقوں میں تو تو میں میں ہوتی رہتی ہے۔ آخر اسی تو تو میں میں سے بڑھ تو نوبت سر پھٹول تک پہنچ جاتی ہے۔ اور کبھی اسی کے نتیجہ میں قتل اور غارت گری بھی ہوتی ہے۔

دوسرے ما بہ النزاع مسائل کا تو ذکر ہی کیا جب کہ اہل اسلام میں خود اس محسن اعظم کی ذات بالا صفات موضوع بحث بنی ہوئی ہے جس نے سوئی انسانیت کو جگایا۔ انسان کو انسانیت کا صحیح مقام بتا کر انسان بنایا۔ کفر و ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر توحید کی روشن فضاؤں تک پہنچایا۔ گمراہی سے ہٹا کر راہ راست پر لگایا۔ تین سو ساٹھ خداؤں کی پوجا کرنے والوں کو خدائے واحد کا پرستار بنایا۔ انسان کے قلب و دماغ کی کدورتوں کو صاف کر کے شمع عشق الٰہی اور نور توحید سے روشن کیا۔ بلکہ ایک مکمل و مطہر شریعت ایک جامع طرز زندگی اور ایک عالمگیر ضابطہ حیات سے سرفراز فرمایا۔

لیکن افسوس! کہ آج اہل اسلام سے ہی ایک گروہ آپ کی عزت و عظمت کو مٹانے، قدر و منزلت کو گھٹانے، شرف و فضیلت پر پردہ ڈالنے کی سعی لاحاصل کر رہا ہے۔ اور ببانگ دہل یہ کہہ رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف ایک بشر کی مانند کی جائے۔ بلکہ اس سے بھی اختصار کرنے کی تاکید کی جا رہی ہے۔

یعنی کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو۔ اور جو بشر کی سی تعریف ہو، وہی کرو۔ سو اس میں بھی ..... اختصار ہی کرو۔

تقویۃ الایمان (شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی) صـ ۳۵

پھر ایک اور مقام پر یوں رقمطراز ہیں:۔

اور یہ یقین جان لینا چاہیئے۔ کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا۔ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان صـ ۵)

معلوم ہوا کہ حضرت شہید کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی بزرگ ترین مخلوق یعنی انبیاء علیہم السلام کی عزت بارگاہ احدیت میں چوہڑے اور چمار سے بھی کم تر ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم (سورہ المنٰفقون) میں صاف ارشاد فرما رہا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ عزت تو خاص خدا اور اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے مگر منافقین نہیں جانتے۔ (ترجمہ مولانا

حافظ فرمان علی شیعہ)

(اسی آیہ مبارکہ کا ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی) نے یوں کیا ہے۔ اللہ کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول کی (بواسطہ تعلق مع اللہ کے) اور (مسلمانوں کی (بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے) ولیکن منافقین نہیں جانتے۔

مذکورۃ الصدر آیہ کے شان نزول کے متعلق کتب تفاسیر میں ہے۔ کہ غزوہ بنی مصطلق کے خاتمہ پر کسی انصاری نے ایک مسلمان کو کافر سمجھ کر زخمی کر دیا جس پر مسلمانوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ اسی اثنا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کا غلام جہجاہ زخمی کی مدد کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ زخمی کے پاس پہنچنے کی کوشش میں سنان جہنی سے لڑ پڑا۔ اور مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا۔ سنان نے اس کے مقابلہ میں انصار سے مدد طلب کی، جہال نامی ایک غریب مسلمان جہجاہ کی مدد کے لئے اٹھا عبداللہ بن ابی اس سے الجھ پڑا۔ اس کی قوم کو جس میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، بھی تھے۔ خطاب کر کے کہنے لگا۔ اگر تم لوگ اپنے دسترخوان کا جھوٹا کھلا کھلا کر اس کتے کو نہ پالتے۔ تو یہ اس وقت یوں ہم سے لڑنے کے لئے کھڑا نہ ہوتا۔ اگر ہم مدینہ پھر کر گئے۔ تو عزت دار (عبداللہ بن ابی) ذلیل یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (العیاذ باللہ) کو نکال باہر کردے گا۔

ابن ابی کی یہ بات حضرت زیدؓ کو بہت بری معلوم ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ تو خود کو عزت دار اور ان کو ذلیل جانتا ہے۔ جو خدا کے رسول اور خدا کے نزدیک بے حد عزت دار ہیں۔ حضرت زیدؓ نے یہ تمام قصہ آنحضرت صلعم کو سنایا۔ آپ نے ابن ابی سے دریافت فرمایا۔ تو یہ منافق صاف مکر گیا اور فوراً ہی آپ کی رسالت کی گواہی دی۔ دوسرے لوگوں نے کہا۔ زیدؓ ابھی بچے ہیں۔ ممکن ہے جھوٹ کہہ دیا ہو۔ اس سے زید رضی اللہ عنہ، کو بے حد صدمہ ہوا۔ اس وقت مذکورہ آیہ مجیدہ نازل ہوئی جس سے حضرت زیدؓ کی سچائی اور ابن ابی کی دروغ گوئی کھل کر سامنے آگئی۔

قرآن کریم صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی نہیں۔ بلکہ آپ کے ساتھ مومنوں کو بھی بارگاہ رب العزت میں جو عزت حاصل ہے۔ اس کو یوں واضح طور پہ بیان کر رہا ہے۔ کہ اس پر کسی اور دلیل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

مگر اس کے برعکس علمائے دیوبند آپ کو اپنے ایسا کہ کر سرے سے ہی آپ کی اصل خلقت

(اوّل مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ) سے انکار کر رہے ہیں۔ ادبنی ربّی فاحسن تادیبی:۔جس کی تعلیم وتربیت خود رب جلیل نے فرمائی، اور جس کو علمک مالم تکن تعلم کی سند عطا فرمائی، اُس کے علم کو یہ کہہ کر جھٹلا رہے ہیں کہ

> ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا۔کہ آپ کا علم ان امور میں ملک الموت کے برابر بھی ہو۔چہ جائیکہ زیادہ۔
>
> براہین قاطعہ بجواب انوار ساطعہ مولانا خلیل احمد انبیٹھی صہ ۵۲

کاش کہ! یہ مدعیان اسلام کلمہ گویان محمدؐ عربی آپ کی اصل خلقت کی معرفت حاصل کرنے کی ایماندارانہ سعی کرتے۔ نگاہ بصیرت سے دیکھتے تو انہیں پتہ چلتا کہ دنیا کی کوئی طاقت رسول عربیؐ کے دعویٰ اوّل مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ کو جس پر قرآن مجید آپ کو اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْن اور اَوَّلُ الْعَابِدِیْن فرما کر صاد کر رہا ہے۔ چیلنج نہیں کر سکتی۔(۱)

آدمؑ سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک کسی ایک نبی یا رسول نے آپ کے مخلوق اوّل اور نوری ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور نہ کسی پیغمبرؐ کے لئے قدرت نے لولاک الماخلقت الا فلاک کا والہانہ ارشاد فرمایا ہے۔نہ کسی پیغمبرؐ کے امتیوں نے اپنے نبی یا رسول کے لئے نہ کسی مرید نے اپنے رہبر و پیشوا کے لئے ایسا دعویٰ کیا ہے.... عیسائی جنہوں نے اپنے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیٰ نبیناً کی فضیلت میں اس قدر غلو کیا۔کہ عیسیٰ علیہ السّلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔مگر عیسائیوں نے بھی ایسا کرنے کی ہمت نہیں کی۔حالانکہ وہ ایسا کر گزرتے۔تو نہ ان کے لئے کوئی امر مانع ہوتا، اور نہ ایسا کرنا ان کے لئے کوئی تعجب خیز بات ہوتی جب کہ موجودہ دور میں سائنس کے جملہ انکشافات کا دارومدار ان ہی کے عقل و فکر اور مال و دولت پر ہے۔

اسی نور کے متعلق سرکار علامہ الشیخ عبدالعلی الہروی الطہرانی رفع اللہ درجاتہ فی اعلیٰ علیین نے مواعظ حسنہ میں فرمایا۔سب سے پہلے خلاق عالم نے ایک نور خلق فرمایا۔جو تمام انوار کا مصدر۔ مجمع، خزانہ اور مرکز ہوا۔اسی نور سے تمام اشیائے ممکنہ کو نورانیت اور قوت برقیہ عطا فرمائی۔اس طرح سے کہ پھر اس نور سے ایک طین خلق فرمائی، اور اسی طین سے متعدد اقسام کی طینتیں خلق فرمائیں۔اور ہر طین سے انواع و اقسام کے اجسام و اجرام خلق فرمائے۔اور جب ان اجسام و اجرام اور ہیاکل و صُوَر کے

قوالب بن کر تیار ہو گئے۔ تو پھر ان میں اسی نورِ اوّل کو جاری و ساری فرمایا۔ جس طرح ایک شہر میں پہلے خزانہ برقیہ (POWER HOUSE) بنایا جاتا ہے۔ بعد ازاں ہر کوچہ و بازار میں انواع و اقسام کے گلوب اور فانوس (BULB AND TUBES) لگائے جاتے ہیں پس جب سب بن کر تیار ہو جاتے ہیں تو ایک مرتبہ اس خزانہ برقیہ سے بقدر ضرورت برق چھوڑتے ہیں۔ (۲) پس تمام فانوس اور سارے گلوب جو بنائے گئے ہیں۔ روشن ہو جاتے ہیں۔

پس اسی طرح بلا تشبیہ تمام عوام مخلوق علوی و سلفی کے قوالب جسمیہ اور ہیاکل نوعیہ میں بقدرِ ضرورت خلاق عوالم نے اس خزانہ برقیہ نورانیہ سے شعاعیں داخل فرمائیں۔ پس تمام عوالم علوی و سلفی حرکت میں آئے اور روشن ہو گئے۔ فقال عزوجل :- اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یعنی مثال اللہ کے نور کی (جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وجود مبارک ہے) مثل اس مشکوٰۃ (طاق) کے ہے۔ جس میں مصباح (روشن چراغ) اور وہ مصباح ایسے شیشے کے اندر ہے۔ جو کوکب درہ (روشن ستارہ) کی طرح روشن اور منور ہے۔ جو شجرۂ مبارکہ زیتونہ سے روشن کیا جاتا ہے۔ وہ شجر مبارکہ نہ شرقی ہے۔ نہ غربی بلکہ لامکانی اور لاہوتی ہے جس کا روغن بغیر جلائے کے روشنی دیتا ہے۔ پس محبوب کا جسم بھی نورانی ہے۔ اور روح بھی نور ہے۔ وہ محبوب نوراً علیٰ نور ہے۔ اللھم صلے علیٰ محمدؐ و آل محمدؐ۔

موعظہ حسنہ جلد سوم صد ۲۸۵، ص ۲۸۶ (مرتبہ مولانا محمد سبطین مرحوم)

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:۔ اوّل ما خلق اللہ نوری:۔ ففتق نوری فخلق منہ السّمٰوٰت والارضین وانا والله اجل من السّمٰوٰت والارضین۔

چنانچہ آیہ مجیدہ اللّٰہ نور السّمٰوٰت کے متعلق مولانا محمد عمر اچھروی مرحوم اپنی کتاب مقیاس النور میں لکھتے ہیں۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ۔

اللہ نور ہے۔ آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کی ہے۔
جس میں چراغ ہو، اور چراغ ایک قندیل میں ہو۔ گویا کہ وہ تارا ہے، چمکتا ہوا۔

اس آیہ کریمہ میں صرف نور کا ذکر ہے اور ایک نور کا ذکر نہیں، بلکہ دو نوروں کا ذکر ہے۔ (۱) نور محیط (۲) نور محاط۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور، نور خداوندی کو محیط نہیں ہو سکتا۔ رب کریم کا نور، نور مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محیط ہو سکتا ہے۔

پھر اسی آیہ مجیدہ مَثَلُ نُوْرِہٖ کی تفسیر بعض مفسرین کی زبانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تفسیر ابن جریر طبری:۔ حدثنی علی بن الحسن الازدی قال ثنا یحیٰی بن الیمان عن اشعث بن جعفر بن المغیرۃ عن سعید بن جبیر فی قولہٖ تعالیٰ مَثَلُ نُوْرِہٖ قال محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ سعید بن جبیر سے دریافت کیا گیا کہ مَثَلُ نُوْرِہٖ کا مطلب کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

تفسیر نیشاپوری ۱۸/۹۴ (مَثَلُ نُوْرِہٖ) وَالنبی نورٌ وسراجاً منیراً۔ مثل نورہٖ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں۔ اور سورج ہیں۔ نور دینے والے۔

تفسیر خازن ۵/۹۴ (مَثَلُ نُوْرِہٖ) وقیل ھو محمد صلے اللہ علیہ وسلم مَثَلُ نُوْرِہٖ کی شرح بعض نے کی ہے کہ وہ نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

تفسیر معالم التنزیل ۵/۹۴ (مَثَلُ نُوْرِہٖ) وقال سعید بن جبیر والضحاک ھو محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ کے متعلق سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا ہے۔ کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مقیاس النور (عبدالوہاب محمد عمر اچھروی ص ۸۳ تا ۸۵

یوں چند ایک اور کتب تفاسیر کے حوالہ جات نقل کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں۔
اس سے ثابت ہوا کہ آپ تمام مخلوق سے مقدم ہیں اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ آپؐ نوری ہیں۔ (مقیاس النور ص ۸۶

اسی آیہ شریفہ (اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ) کے متعلق مولانا فرمان علی اپنے ترجمہ قرآن مجید کے حاشیہ پر بحوالہ تفسیر درمنثور جلد ۵ ص ۵۰ سطر ۳۰ مطبوعہ مصر لکھتے ہیں۔
حسن بصری اور ابوالحسن مغازلی شافعی سے روایت ہے۔ کہ مشکواۃ سے

مراد حضرت فاطمہؑ اور مصباح سے حسنینؑ اور شجرۂ مبارکہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام شرقی، غربی نہ ہونے سے حضرت فاطمہ علیہ السلام کا یہودی و نصرانی نہ ہونا۔ یَکَادُ زَیْتُھَا سے ان کا کثرت علم اور نُورٌ علی نور سے مراد ایک بعد دوسرا امام اور یَھْدِی اللّٰہُ لِنُورِہٖ سے ان کی اولاد اور محبت مراد ہے۔

اس کو مویدہ روایت ہے۔ جس کو علامہ جلال الدین نے ذکر کیا ہے۔ کہ انسؓ بن مالک اور ابن مردویہ نے روایت کی ہے۔ جب حضرت رسول صلعم نے اس کے بعد والی آیت (فی بیُوتٍ اَذِنَ اللّٰہُ) (وہ قندیل) اُن گھروں میں روشن ہے۔ جنکی نسبت خدا نے حکم دیا ہے۔ تلاوت فرمائی۔ تو ایک شخص نے عرض کی۔ یا حضرت صلعم اس سے کون گھر مراد ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ انبیاء کے گھر۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کھڑے ہوئے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلعم کیا یہ گھر بھی انہی گھروں سے ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں! یہ گھر بھی انہی گھروں سے ہے۔ بلکہ ان میں یہی سب سے بہتر اور افضل ہے۔

اس روایت کو ثعلبی نے بھی ذکر کیا ہے۔

اس نور کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے مدارج النبوۃ میں علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

نور اس کے اسماء میں سے ہے۔ اگرچہ تمام انبیاء اولیاء اس صفت نوری سے متصف اور اس کے ساتھ متحقق ہیں۔ لیکن سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم اس صفت کی حقیقت ہیں۔ اور درمیان حقیقت شئی کے اور اس کے جو اس شئے کے ساتھ متحقق ہو۔ فرق ہے۔ تمام اشیاء اس نور کے مظاہر ہیں۔ ———— اور اس کے ظہور کے محل ہیں۔ اور حضور اکرم کا فرمان کہ "انا من نور اللہ والمومنون من نوری" میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مسلمان میرے نور سے ہیں۔

(مدارج النبوت حصہ دوم ص ۵۱ ...)

سرکار رسالت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خلقت نور کے ساتھ انا و علی من نور واحد کا اعلان فرما کر اپنے داماد اور وصی اور وزیر حضرت علی علیہ السلام کی خلقت نوری کی تصدیق فرما دی۔ اور فتح مکہ کے روز عین کعبہ میں مہر نبوت پہ سوار کر کے نورٌ علیٰ نور کی عملی تفسیر فرما دی ؎

علی بر دوش احمد چشم بد دور
عیاں شد معنی نورٌ علیٰ نور
(سلطان الہند حضرت خواجہ اجمیریؒ)

اس پہ بھی اگر کوئی شکوک وشبہات میں مبتلا رہے۔ تو یہ اُس کی خیرہ چشمی ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

قرآن کریم میں مذکورہ آیہ مبارکہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط کے علاوہ سورہ مائدہ اور سورہ نسآء میں بھی ایسی آیات ہیں۔ جن سے انبیاء پہ نور کا اطلاق ہوتا۔ سنی شیعہ روایات میں موجود ہے۔ چنانچہ فخر المحققین جناب علامہ محمد حسین صاحب قبلہ اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ صہ ۶۸ پر (انبیاءٔ وآئمہ پہ نور کا اطلاق ہونا) کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

اس سے کسی کو انکار نہیں۔ کہ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ۔ تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک چمکتا ہوا نور اور صاف صاف بیان کرنے والی کتاب (قرآن) آچکی ہے۔

اگرچہ اس آیت میں وارد شدہ لفظ نور کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ یا انحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ مگر ایک قول یہ بھی ہے۔ کہ اس سے انحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مراد ہیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر بیان ج ۳ صہ ۴۷۵)

بروایتے! اس سے مراد جناب امیر المومنین اور دیگر آئمہ طاہرین ہیں۔ تفسیر صافی صہ ۱۳۲۔

اسی طرح آیت مبارکہ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝ اے لوگو اس میں تو شک ہی نہیں کہ تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے

(دین حق) کی دلیل آچکی ہے۔ اور ہم تمہارے پاس ایک چمکتا ہوا نور نازل کر چکے ہیں۔

اگرچہ اس آیت مبارکہ میں وارد شدہ لفظ "نور مبینا" کے متعلق شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ نے تبیان جلد ۳ صفحہ ۴۰۶ پر "جمیع المفسرین" کا یہ قول لکھا ہے۔ اس سے مراد قرآن ہے۔ (ذالک النور القرآن الذی انزلہ اللہ علیٰ محمد) مگر صاحب تفسیر صافی نے صفحہ ۱۲۷ پر ایک روایت کا مضمون یوں درج کیا ہے۔ کہ "برہان" سے مراد جناب رسول خدا صلعم اور نور سے مراد حضرت امیر علیہ السّلام ہیں۔

بروایتے اس سے امامت علیؑ اور ولایت آئمہ کو مراد لیا گیا ہے۔

نیز ارشاد قدرت ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْۤ اَنْزَلْنَا ط تو تم خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اس نور پر جس کو ہم نے نازل کیا۔

اگرچہ عموماً مفسرین نے اس جگہ "نور" سے قرآن مجید کو مراد لیا ہے۔ مگر اصول کافی کتاب الحجت میں حضرت امام باقر علیہ السّلام سے ایک روایت مروی ہے۔ کہ یہاں نور سے آئمہ اطہار مراد ہیں ـــــ اسی طرح متعدد روایات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوری خلقت کا تذکرہ موجود ہے۔ جیسے مشہور حدیث اوّل ما خلق اللہ نوری ـــــ یا جیسے انا وعلی من نور واحد۔ الی غیر ذالک من الاخبار الکثیرۃ

اکثر مفسرین اہل سنّت والجماعت نے بھی آیۂ شریفہ قَدْ جَآءَكُمْ میں وارد شدہ لفظ "نور" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی مراد لیا ہے۔ چنانچہ۔

تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۳ پر ہے۔ انما سماہ اللہ نورا الانہ یھتدی بہ کما یھتدی بالنور فی الظلام۔ (کوئی بات نہیں) اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک نور اس لئے رکھا۔ کہ آپ سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح نور سے ظلمت میں۔

تفسیر قادری جلد اوّل صفحہ ۱۴۲ مفسروں نے کہا ہے۔ نور تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور کتاب مبین قرآن شریف ہے۔ اور بحر الحقائق میں لکھا ہے۔ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک جو نور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ پہلے جو چیز حق تعالیٰ بسبب نور قدم کے ظلمت کدہ عدم سے وجود میں لایا۔ وہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور تھا۔ کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ

تو نوری ہے۔ لہذا اس کے عالم کو اس کے نور کے صنو۔ اور اس کے ظہور کے نور کے واسطے موجود کیا

اور نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص میں مذکور ہے۔ کہ سب خلائق کے منشا اور معاد کی اصل

حضرت حقیقۃ الحقائق ہیں اور وہ حقیقت محمدی اور نور احمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

کہ صورت واحدی احدی ہے۔ جامع سب کمالات الہی کے اور واضح میزان سب اعتدالوں ملکی

اور حیوانی اور انسانی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ عالم اور اہل عالم صورتیں اور

اجزا ہیں۔ اس کی تفصیل کے۔ آدم اور آدمی مسخر ہیں۔ واسطے اس کی تکمیل کے۔ اور اسی کی طرف

اشارہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول کہ اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَآدَمُ وَمَنْ

دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَائِی۔

تفسیر جلالین میں ہے۔ قَدْ جَآءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ ھُوَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ آیہ مبارکہ میں

نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

قَدْ جَآءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ۔ اِنَّ الْمُرَادَ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدٌ وَبِالْکِتَابِ الْقُرْاٰنُ

آیہ شریفہ قد جاءکم میں نور سے مراد خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور

کتاب سے مراد قرآن ہے۔

(تفسیر کبیر جلد ۳ ص۳۹۶)

یونہی تفسیر بیضاوی جلد ۲ ص ۹۲ میں ہے۔ کہ قَدْ جَآءَکُمْ کی آیہ مبارکہ میں لفظ نور سے

مراد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

رئیس المحدثین علامہ محمد باقر مجلسیؒ جلاء العیون کی دوسری فصل میں جو نور شریف آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان میں ہے۔ لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عرش و کرسی۔ لوح و قلم۔

آفتاب و مہتاب، زمین و افلاک، حور و ملک و غلمان۔ جن اور انسان کی تخلیق سے قبل محمد و

علیؑ کو ایک نور یعنی ایک روح بے بدن سے خلق فرمایا۔ اور ہم کئی ہزار سال قبل خلقت آدمؑ

تہلیل و تمجید میں معروف رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو وحدانیت اور عظمت سے یاد کرتے رہے۔

(جلاء العیون ص۳ ص۱۳۱)

بحار الانوار جلد نمبر ۶ ص ۱۴ میں علامہ باقر مجلسیؒ نے کنز الفوائد کے حوالے سے یوں تحریر

فرماتے ہیں۔ یا علیؑ ان اللّٰہ تبارک وتعالیٰ کان ولا شئی معہ فخلقنی وخلقک روحین من نور جلالہ فکنا امام عرش رب العالمین نسبح اللّٰہ ونقدسہ ونحمدہ ونھللہ یا علیؑ

بے شک خداوند عالم موجود تھا۔ اور اُس کے ہمراہ اور کوئی چیز نہ تھی۔ پس مجھے اور آپ کو اپنے مخصوص نور جلال دو روح کی صورت میں پیدا کیا۔ پس اس کے عرش کے آگے اس کی تسبیح و تقدیس وتہلیل کرتے رہے۔

پھر اسی کتاب میں بحوالہ منہج التحقیق ایک اور روایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس طرح بیان کی گئی ہے۔ ان اللّٰہ خلق اربعة عشر نوراً من نور عظمتہٖ قبل خلق ادم باربعة عشر الف عام فھی ارواحنا..... خداوند عالم نے خلقت آدمؑ سے چودہ ہزار سال پہلے چودہ انوار کو اپنے خاص نور عظمت سے پیدا کیا۔ یہی انوار ہمارے ارواح ہیں۔ (بحار الانوار صفحہ ۲۴۹ جلد ۷)

اہل سنت والجماعت کے مشہور معروف عالم علامہ زرقانی یوں تحریر کرتے۔ بقولہ علیہ السلام اول ما خلق اللّٰہ نوری قدرعلے اصل الوضع اللغوی وبھذا الاعتبار یسمی مصطفٰی ابو الانوار وابی الارواح۔ آنحضرت صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد اول ما خلق اللّٰہ نوری کے مطابق رب العزت نے وضع لغوی کے اصول پر مقدر فرمایا۔ لہٰذا آپ کا اسم مبارک نور الانوار اور ابو الارواح رکھا گیا۔ (مقیاس النور صفحہ ۱۳۴ بحوالہ زرقانی جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۷)

مذکورہ آیات واحادیث اور روایات میں وارد شدہ نور سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ نور سے ان کے جسم مبارک مراد نہیں۔ بلکہ اس نور کے مصداق ان کے ارواح مقدسہ ہیں۔ چونکہ یہ اجسام مبارک ارواح مطہرہ کے حامل ہیں۔ اسی لئے ان کی ذوات مقدسہ کو نور اور اعلیٰ نور کہا جاتا ہے۔

ان ذوات مقدسہ کو "نور" کہنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے۔ کہ کفر چونکہ سراسر ظلمت ہے۔ لہٰذا حامل کفر اس ظلمت (اندھیرے) میں اسی طرح حیران اور سرگردان ہوتا ہے۔ جس طرح ایک انسان اندھیری رات میں اپنی منزل کا راستہ نہ پاکر حیران وسرگردان ہوتا ہے۔ اور جب اسی شب تیرہ وتار میں ظاہری نور یعنی کوئی روشنی مل جاتی ہے۔ تو وہ اپنی منزل کا راستہ تلاش کر لیتا ہے۔ چونکہ کفر کی ظلمتوں اور گمراہی کی

جیوں میں یہی وجود ذیجود باعث نجات خلق ہوئے۔ اسی لئے ان پر نور کا اطلاق کیا گیا۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البر استیعاب میں لکھتے ہیں۔ کہ ابو الطفیل عامر بن واثلہ کنعانی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، کے سامنے اشعار پڑھے۔ ان کا ایک شعر یہ ہے۔

اَن النبیّ ھوالنور الذی کشفت بہ۔ عمایات ماضینا ذ باقینا

بے شک نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نور ہیں۔ جن کے سبب ہمارے سابقین اور باقیوں کی گمراہیاں دور ہوگئیں۔ (استیعاب جلد ۲ ص ۶۴۲۔ منقول از مقیاس النور ص ۱۳۲)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلعم کے ایک مشہور معروف صحابی ہیں۔ آپ کے اشعار بھی ابو الطفیل کے اشعار کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ البدایہ والنھایہ جلد نمبر ۳ ص ۳۳۶ میں شعروں میں۔

درد ناہ و نور اللہ یجلو ـــ دجی الظلماء عنا والخطاء

رسول اللہ یقدمنا با مر ـــ من امر اللہ احکم بالقضاء

ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہمارے اندھیروں کی سیاہی روشن ہوگئی۔ اور ہر بے گئے۔

رسول اللہ صلعم اللہ رب العزت کا ارشاد ہمارے پاس لائے، جو بہت مضبوط فیصلہ ہے۔

اسی البدایہ والنہایہ میں جلد نمبر ۲ ص ۲۵۸ پر آپ کے عم محترم حضرت عباس عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، کے ایسے ہی اشعار موجود ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلبؓ آپ کے پاس آئے اور کہا۔ یا رسول اللہ صلعم میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کی کچھ تعریف بیان کروں۔ فرمایا، چچا۔ خدا تمہارے دہن کو ہمیشہ تر و تازہ کرے پڑھو۔ تو حضرت عباسؓ نے منجملہ دوسرے مدحیہ اشعار کے یہ شعر بھی پڑھا۔

وانت ولدت اشرقت الارض وضاءت بنورک الافق

فنحن فی ذالک الضاء وفی النور وسبل الرشاد نخترق

حضور آپ پیدا کیے گئے۔ تو تمام زمین روشن ہوگئی۔ اور آپ کے نور سے تمام آسمان روشن ہوگیا۔ ہم بھی آپ کے نور سے منور ہیں اور ہدایت کے راستوں پہ گامزن ہیں۔

(مقیاس النور مولانا محمد عمر اچھروی ص ۱۳۱)

مذہب شیعہ اثنا عشریہ کے عظیم مفسر قرآن علامہ طبرسی مجمع البیان جلد ۱ ص ۳۱۹ پر آیہ شریفہ قَدْ جَآءَ کُمْ

کی تفسیر میں آیت کے لفظ نور سے باالنور محمدؐ کہکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی مراد لیتے ہیں
کو نور کہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یھتدی بہ الخلق کما یھتدی باالنور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلق خدا اس طرح
جس طرح نور سے راہنمائی حاصل کرتی ہے۔

علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۴۷ پر انبیاء اور آئمہ علیہم السّلام کو نور کہنے کی دوسری وجہ
کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فاطلاق علے الانبیا والائمۃ علیہم السلام کا نھم اسباب لھدایتہ الخلق وعلمھم
وکمالھم انبیاء اور آئمہ علیہم السلام پر اس لئے ہوا ہے۔ کہ وہ تمام مخلوق کی ہدایت ان
کے علم و کمال بلکہ ان کا وجود کا سبب یہی بزرگوار ہیں۔ کیونکہ یہی ذوات مقدسہ تمام اشیاء
کے وجود کی علت غائی ہیں۔

انبیاء واوصیاء کے انوار کو خواہ کوئی حقیقی مانے یا مجازی۔ لیکن کیا مجال کہ ان نورانیت سے انکا
ایسی حقیقت جو روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اس کا جھٹلانا ناممکن ہے۔ پھر بھی مسلمان نور و بشر کی لا
بحث میں الجھے ہوئے ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ اس بحث میں پڑنے کے بجائے یہ سوچتے کہ بعثت ان
اصل مقصد کیا ہے۔ کیا انبیاء ہم میں اسلئے مبعوث کئے گئے ہیں۔ کہ ہم ان کے وجود ہائے مقدسہ کی حقیقا
ماہیت کو پرکھنے کے لئے آپس میں بحث وتمحیص کے دروازے کھول دیں۔ یا وہ ہماری طرف اس لئے بھیجے
تھے کہ ہم اُن سے احکام الہی حاصل کریں۔ اور ان پر عمل کریں۔

اگر اس امر پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیا جائے۔ تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء و اوصیا بشر
نور ہوں ان کا نور حقیقی ہو یا مجازی بہرحال ہمارے لئے واجب الاطاعت ہیں۔ ہمارا کام ان کے ا
پر عمل کرنا ہے۔ نہ کہ ان کی ذوات عالیہ کو موضوع بحث بنانا۔ مگر افسوس کہ مسلمان اس بحث میں ایسے
عمل سے عاری ہو گئے۔ صرف عمل سے ہی عاری نہ ہوئے، بلکہ فرقوں میں بٹ گئے۔ کسی کو غالی اور کسی
کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ ادھر افراط کا یہ عالم کہ خالق اور مخلوق میں عبد اور معبود میں فرق کرنا نا
گیا۔ اُدھر تفریط کی یہ حالت کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو بارگاہ رب العزت میں جو عزت و فضیل
[illegible] سے کھلم کھلا انکار کرتے ہوئے کہا گیا۔

اور یقین جان لینا چاہیئے۔ کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا۔ اللہ کی شان کے آگے چمار کی طرح ذلیل ہے۔ (تقویتہ الایمان صـ۸)

اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کو بے خبر اور نادان کہہ دیا۔

ان باتوں (غیب کی خبریں جاننے) میں سب سے بندے بڑے ہوں یا چھوٹے سب یکساں بے خبر اور نادان ہیں۔ (تقویتہ الایمان صـ۱۳)

انبیاء علیہم السّلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ۔

انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں۔ تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات امتی مساوی ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔

(تحذیر الناس مولانا محمد قاسم نانوتوی صـ۵)

کیا یہ انبیاء علیہم السلام کے شان کی تنقیص کی بدترین مثال نہیں؟

افسوس! مسلمانوں کے عقل وفکر پر فرقہ وارانہ عصبیت نے اس طرح پردہ ڈال دیا۔ کہ یہ سوچ اور سمجھ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ اوّل مخلوق ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے خلقت آدمؑ سے کئی ہزار ل تخلیق فرما کر شرف اوّل ماخلق اللہ نوری کے خلعت سے سرفراز فرمایا۔ باعث تخلیق کائنات قرار دے ۔ لما خلقت الافلاک کا تاج پہنایا۔ جس کا انکار علمائے دیوبند سے بھی نہ ہو سکا۔ چنانچہ مولانا رشید احمد ایک سائل کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

مسئلہ:۔ اوّل ماخلق اللہ نوری اور لولاک لما خلقت الافلاک۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ ۔ زیدان کو وضعی تبلاتا ہے فقط بینوا وتوجروا الجواب۔ یہ حدیثیں کتب صحاح میں موجود نہیں۔ مگر شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے اوّل ماخلق اللہ نوری کو نقل کیا ہے۔ کہ اس کی کچھ اصل ہے۔ فقط۔

واللہ تعالیٰ اعلم (بندہ رشید احمد گنگوہی) بحوالہ رشیدیہ حصہ دوم صـ۱۳۴)

پھر جب خدا نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ تو آنحضرت صلعم کے نور کو پشت آدم علیہ السّلام میں رت نوحؑ کشتی میں سوار ہوئے۔ تو یہ نور ان کی پشت میں تھا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو نار نمرودی میں ڈالا ن کے صلب میں تھا۔

کتب شیعہ میں بسند معتبر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، سے منقول ہے۔ فرمایا حضرت پیغمبر خدا صلعم نے کہ

خداوند عالم ہمارے نور کو اصلاب طاہرہ و ارحام مطہرہ میں منتقل فرماتا رہا یہاں تک یہ نور عبدالمطلب پہنچا۔ پھر اس نور کو دو حصوں میں منقسم فرمایا۔ نصف کو صلب عبداللہؑ میں اور نصف کو پشت ابوطالب میں جا
صلب عبداللہؑ سے میں پیدا ہوا۔ اور پشت ابوطالبؑ سے علیؑ۔ ہمارے لئے دو نام اپنے اسمائے مقدسہ سے فرمائے۔ خداوند عالم صاحب عرش محمود ہے۔ اور میں محمدؐ۔ خداوند عالم علیٰ الاعلیٰ ہے اور میرا بھائی علیؑ۔

اہل سنّت والجماعت کے مشہور عالم علامہ زرقانی فرماتے ہیں۔

(عربی عبارت کو ترک کر کے) ترجمہ اردو یہ ہے۔ کہ یہ نور حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں چمکتے ہوئے سورج کی طرح رکھا گیا۔ پھر عورتوں سے پاکیزہ عورتوں کے (رحموں) میں۔ اور یہ وصیت جاریہ ہے۔ جو ایک قرن سے دوسرے قرن کی طرف منتقل ہوتی رہی۔ یہاں تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے نور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبدالمطلب اور پھر اُن کے فرزند حضرت عبداللہؑ تک (زرقانی ص۶۵)۔

بہرحال یہ وہ انوار مقدسہ، ارواح مطہرہ اور اجسام طاہرہ ہیں۔ جو تخلیق میں ہر مخلوق سے اوّل علت غائی ممکنات ہیں۔ اور یہی وہ مخلوق عالیہ ہیں۔ جن کو سجدہ آدمؑ سے مستثنیٰ کیا گیا۔ چنانچہ ادھر کائنات وجود میں آئی۔ ارض و سما نے قرار پکڑا۔ بزم شمس و قمر آراستہ ہوئی، ستاروں کی شمعیں روشن ہوئیں۔ سبزہ خودرو کا فرش بچھ گیا۔ دامن ہائے کوہسار میں تناور درخت کھڑے ہو گئے۔ میدانوں میں ثمردار شجر پھولے پھلے۔ کہیں لہریں لیتے ہوئے سمندر۔ کہیں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا۔ پہاڑوں سے ابلتے ہوئے چشمے [illegible] سے لدی ہوئی وادیاں اور حمد باری کے گیت گاتے ہوئے پرندے اور ہر طرف کلیلیں کرتے پھرتے چرند معرض وجود میں آگئے۔ یہ سب کچھ ہو گیا۔ لیکن یونہی کہ بزم ہے اور بزم آرا نہیں۔ برات ہے مگر دولہا نہیں میں ہو کا عالم طاری تھا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس وادی خاموش کو قہقہوں اور پرمسرت نعرو بدلنے اور اس سناٹے کو چہل پہل میں تبدیل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کی تخلیق کا ارادہ کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنا۔ قدرت نے ملائکہ کو ارشاد فرمایا۔ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں زمین پر اپنا خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِیْنَ ہ جوں ہی میں اپنی طرف سے روح پھونکوں۔ تم سب اس کے آگے سجدہ کرنا۔

ادھر حضرت آدم کے جسد مبارک میں روح داخل ہوئی۔ ادھر ملائکہ کی نوری پیشانیاں بتہ خاک ک

سجدہ ریز ہو گئیں۔ لیکن شیطان نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ ارشاد قدرت ہوا۔ یَاابلیسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اے ابلیس (شیطان) جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ۔ کیا تو نے تکبر کیا۔ یا واقعی تو (ما فوق) بڑے درجے والوں میں ہے۔

آیہ مجیدہ سے صاف ہو رہا ہے۔ کہ تخلیق آدمؑ کے وقت ایک سجدہ کرانے والا رب العالمین تھا۔ دوسرے ملائکہ اور شیطان جن کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا۔ تیسرا وہ وجود مسجود (حضرت آدم علی نبینا) جس کو سجدہ کرایا گیا اور چوتھے وہ جن کو خداوند عالم نے عالین (بلند مرتبت) فرمایا۔ جن کے روبرو یہ سب کچھ ہو رہا تھا کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ کَیْ اُعْرَفَ (حدیث قدسی) جب صناع مطلق کو اپنی صنعت کاملہ کے شاہکار دکھانے کا خیال آیا۔ پردۂ ظلمت عدم چاک ہوا۔ اور ایک شعاع نور طالع ہوئی جس طرح شب تار میں سحری کی پہلی کرن پھوٹتی ہے۔ درحقیقت یہی شعاع نور عالم وجود کی پہلی مخلوق کی جلوہ ریزی تھی۔ کتم عدم سے منصہ شہود پر آنے والا پہلا پیکر نور (اوّل مَا خلق اللہ نوری) نور محمد تھا اور یہی وہ نور ہے جو لولاک ما خلقت الافلاک کا مصداق بنا۔ چنانچہ صناع ازلی نے توحید کو بچاتے ہوئے وجوب و قدم کو محفوظ رکھتے ہوئے مخلوق کو اپنے کمالات کا مظہر بنایا اور ایسا بنایا کہ حدوث میں قدم کا رنگ جھلک اٹھا۔

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل

سلمائے حدوث تو و لیلائے قدم را۔

تخلیق کے بعد اس نور کو حجاب علم، حجاب حلم، حجاب حیا، حجاب عفت، حجاب رفعت، حجاب عزت حجاب عظمت، حجاب جلالت، حجاب نبوت، حجاب سعادت، حجاب شفاعت، سے مراد ہر ایک حجاب میں کئی کئی ہزار سال رکھ کر فضائل و کمالات سے یوں آراستہ کیا۔ کہ یہ نور آئینہ کمالات الٰہیہ ہو گیا۔ پھر اس نور کو زیر عرش جگہ دے کر عالین کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ یہی وہ بلند مرتبت مخلوق ہے۔ جس کے متعلق ذات احدیث نے شیطان سے سوال کیا تھا۔ کہ تو ازراہ تکبر سجدہ آدم سے انکار کر رہا ہے۔ یا خود کو عالین سے سمجھتا ہے۔

تفسیر برہان۔ ابو سعید خدری سے منقول ہے۔ کہ ہم جناب رسول خدا صلعم کی خدمت میں بیٹھے تھے

کہ ایک شخص نے اس آیہ مجیدہ کا مطلب دریافت کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلعم یہ کون لوگ ہیں۔ جو فرشتوں سے بھی اعلیٰ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ۔ ہم خلقت آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل..... سرادق عرش میں تسبیح خدا کرتے تھے۔ سب فرشتوں نے ہماری تسبیح کو سُن کر تسبیح کرنا سیکھی۔ (حاشیہ ترجمہ قرآن مجید مترجم مولانا حافظ مقبول احمد دہلوی)

بعینہٖ ایسی ہی ایک روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی زبان سے نقل کی گئی ہے۔ جس کے آخر میں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔ تو ملائکہ کو حکم دیا۔ کہ حضرت آدم کو سجدہ کریں مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ پس خُدا نے اس سے خطاب فرمایا۔ کیا تو نے سجدہ کرنے سے تکبّر کیا۔ یا تو ان سے تھا۔ جو حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے بلند تر ہیں۔ یعنی یہ پانچ بزرگوار کہ جن کے نام سراپردہ عرش پر لکھے ہوئے ہیں۔

(جلاء العیون (اردو) جلد اول صفحہ ۱۱)

یہ انقلابات ہیں زمانے کے کہ حضور سرور کائنات علت غائی ممکنات۔ سید المرسلین۔ خاتم النبیین، امام الانبیاء، محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی ذات بابرکات کو موضوع بحث بنانے والے۔ آپ کا کلمہ پڑھنے والے ہی ہیں۔ لہٰذا یہ کس قدر افسوس کی بات ہے اگر یہی بحث کسی غیر مسلم یہودی یا عیسائی کسی ہندو یا سکھ کی طرف سے شروع ہوتی تو شاید اس قدر رنج نہ ہوتا۔ لیکن ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

افسوس کہ ان مسلمانوں نے نہ مقام نبوت و رسالت (اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ط) قرآن حکیم کی معرفت حاصل کرنے اور نہ قرآن کریم میں وارد شدہ لفظ "عبد" اور "بشر" کی حقیقت اور اصلیت کو سمجھنے کی کوشش کی اور بغیر کسی تحقیق و تجسس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک عام بشر قرار دے کر اپنے ایسے خاطی انسانوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ صرف اسی پر اکتفا نہ کی۔ بلکہ آپ ذات والاصفات میں جملہ بشری لوازمات اور کمزوریاں ثابت کرنا ہی تبلیغ اسلام کا اولین فرض سمجھ لیا۔

کاش کہ یہ حضرات اتنا ہی سوچ لیتے کہ وہ مقام عبدیت اور بشریت جس پر آنحضور صلعم فائز ہیں۔ وہ

اس قدر بلند و بالا ہے۔ کہ وہاں انسان تو کیا انسان کے فہم و ادراک کی رسائی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ وہ تو ایسا مقام ہے۔ جہاں سید الملائکہ امین وحی حضرت جبرئیل ایسا مقرب بارگاہ الٰہی ملک میں پہنچنے سے قاصر اور عاجز ہے۔ اور اپنی زبان سے یہ کہہ کر لودنوت انملا لاحترقت اپنے عجز کا اقرار کر رہا ہے ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

اگر ان حضرات کو آپ کے مقام عبدیت اور بشریت کی معرفت حاصل ہو جاتی۔ تو پھر آپ کو اپنے ایسا بشر ثابت کرنے کے لئے عقلی اور نقلی دلائل کے طومار نہ لگائے جاتے۔ نہ آپ کے علوم ظاہری و باطنی سے انکار کرنے کی نوبت آتی اور نہ مولانا رشید احمد گنگوہی کو براہین قاطعہ میں یہ لکھنے کی ضرورت پیش آتی۔

اعلیٰ علیین میں روح مبارک علیہ السلام کی تشریف رکھنا اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کہ علم ان امور میں آپ کا ملک الموت کے برابر بھی ہو۔ چہ جائیکہ زیادہ۔ (براہین قاطعہ ص۵۲)

اور نہ مولانا اشرف علی تھانوی اپنے اعتقاد کو یوں صفحہ قرطاس پر ثبت کرنے کی کوشش فرماتے۔

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا۔ اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے۔ یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں۔ تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی اور مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔ (حفظ الایمان ص۸)

اور نہ اس حامل روح قدس ہستی میں اجتہادی غلطیاں ثابت کرنے کے لئے مختلف طرح کے ڈھونگ رچانے پڑتے جو اپنی قبل از بعثت زندگی کی پاکیزگی کا یوں ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرے۔ لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ۔ (یقیناً اس سے پہلے میں نے تم میں ایک عمر گزاری ہے۔ اس میں کوئی نقص یا عیب دیکھا ہو تو بتا دو۔) مطلب یہ تھا کہ میری کتاب زندگی تمہارے سامنے کھلی رکھی ہے۔ اس کا ورق ورق الٹو، ہر صفحہ پر نگاہ کرو، ہر سطر کو پڑھو، تمہیں کہیں ایک حرف بھی ایسا نہیں ملے گا، جس پر تم انگلی رکھ سکو۔ یقیناً ایسی بے داغ زندگی کو جس میں کوئی نقص نہ ہو، کوئی عیب نہ ہو۔ معجزانہ زندگی کے سوا اور کہا بھی کیا جا سکتا ہے۔

اور نہ اس معصوم من اللہ ذات کو غیر معصوم ثابت کرنے کے لئے مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ

دارالعلوم دیوبند کو یہ کہنے کی ضرورت محسوس ہوتی۔

پھر دروغ صریح بھی کسی طرح پر ہوتا ہے۔ جن میں ہر ایک کا حکم یکساں نہیں۔ ہر قسم سے نبی کو معصوم ہونا ضروری نہیں۔

بالجملہ علی العموم کذب (جھوٹ) کو منافی شان نبوت بایں معنی سمجھنا کہ یہ معصیت (گنہ گاری) ہے اور انبیاء علیہم السلام معاصی سے معصوم ہیں۔ خالی غلطی سے نہیں۔ (تصفیۃ العقائد ص۲۸)

دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ردائے عصمت کو داغدار بنانے اور آپ کی شان طہارت کو گھٹانے کا اوّلین باعث شق الصدر کی وہ روایت ہے۔ جس میں آپ کے سینۂ مبارک کو شق کر کے آپ کے قلب الور کے صاف کرنے اور دھونے کو اکثر علمائے سیر و تواریخ اور تفاسیر نے با اختلافات روایات اپنی اپنی کتابوں میں تحریر کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون الحضرمی کی مشہور و معروف تصنیف تاریخ اسلام کی وہ روایت نقل کرتے ہیں، جو انہوں نے شق الصدر کے متعلق بیان کی ہے۔

جب آپ کا سن مبارک چار سال کا ہوا۔ اس وقت آپ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے کے لئے جانے لگے۔ دو فرشتوں نے آپ کا شکم مبارک چیر کر قلب کو نکالا۔ اور اس سے سیاہ نقطہ صاف کر کے قلب اور آنتوں کو برف سے دھویا۔ جس وقت اس واقعہ کی خبر حلیمہ بنت ابی ذویب کو ہوئی۔ تو اس خوف سے وہ کہ مبادا کوئی اور واقعہ یا صدمہ پیش نہ آئے۔ آپ کو بی بی آمنہ سلام اللہ علیہ کے پاس لائیں اور واقعہ شق صدر سے مطلع کیا۔ تاریخ اسلام ابن خلدون حصہ اوّل ص۳۴، ص۳۵)

اسی روایت کو علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں یوں نقل کیا ہے۔

سینہ مبارک کو چیرنے اور قلب اطہر کو غسل دینے کا قضیہ بھی دایہ حلیمہ سعدیہ کے یہاں پیش آیا۔ یہ واقعہ اس طرح ہے۔ کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلیمہ سعدیہ سے فرمایا۔ اے مادر مہربان! مجھے اپنے بھائیوں کے ساتھ جب وہ بکریاں چرانے جاتے ہیں۔ کیوں نہیں بھیجتیں تاکہ میں سیر کروں اور تمہاری بکریوں کو چراؤں۔ چنانچہ حلیمہ سعدیہ نے حضورؐ کے بالوں میں کنگھی کی اور آنکھوں میں سُرمہ لگایا۔ کپڑے بدلے اور بدنظری سے بچنے کے لئے آپ کی گردن میں تختی باندھی۔ حضورؐ نے اسے توڑ کر پھینک دیا اور فرمایا میرا رب میرا محافظ ہے۔

اس کے بعد حضورؐ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ باہر تشریف لے گئے اور بکریاں چرانے میں مشغول ہو گئے۔ جب آدھا دن گذر گیا تو حضرہ حلیمہ کا لڑکا ابا جان، اماں جان پکارتا بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے ساتھ کھڑے تھے۔ اچانک ایک شخص نمودار ہوا۔ اور ان کے قریب آکر انہیں ہمارے درمیان سے پہاڑ پر لے گیا۔ اور لٹا کر ان کا شکم مبارک چاک کیا۔ آگے ہم نہیں جانتے کہ ان کا کیا حال ہوا۔ اس پر حلیمہ اور ان کے شوہر ڈوڑتے ہوئے گئے۔ جب آپ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ آپ پہاڑ پر بیٹھے ہوئے آسمان کی جانب دیکھ رہے ہیں۔ (مدارج النبوۃ (اردو) ص۳۲)

مذکورہ روایت کو بیان کرنے کے بعد علامہ موصوف شق الصدر کی اس روایت کے تضاد اور مختلف النوع ہونے کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یہ قصہ احادیث کی کتابوں میں مختلف نوعیتوں اور مختلف عبارتوں سے آیا ہے..... چنانچہ ..... ابویعلی، ابونعیم، اور ابن عساکر شداد بن اوس سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ ایک روز میں بنی لیث بن بکر میں اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ وادی میں تھا۔ کہ یکایک میری نظر تین شخصوں پر پڑی۔ ان میں سے ایک ہاتھ میں سونے کا طشت تھا۔ جو برف سے بھرا ہوا تھا اور ایک روایت میں ہے۔ کہ ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا۔ اور دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا لگن تھا۔ جو برف سے لبریز تھا۔ پھر مجھے اپنے ساتھیوں کے درمیان سے پکڑا۔ میرے سب ساتھی اپنے محلے کی جانب بھاگ گئے۔ ....

....

...... اس کے بعد ان تینوں میں سے ایک نے مجھے زمین پر نرمی سے لٹایا۔ اور ایک نے میرے سینہ کو جوڑوں کے پاس سے ناف تک چیرا۔ اور مجھے کسی قسم کا درد وغیرہ محسوس نہ ہوا۔ اس کے بعد پیٹ کی رگوں کو نکالا۔ اور اس برف سے اسے خوب غسل دیا۔ پھر اسے اپنی جگہ پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے شخص نے کہا۔ اب تم ہٹ جاؤ۔ اس کے بعد اس نے میرے جوف میں اپنے ہاتھ کو ڈال کر میرا دل نکالا۔ میں اُسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اسے چیرا اور اس سے سیاہ لوتھڑا نکالا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ سیاہ نکتہ کو نکالا اور اسے پھینک دیا۔ اس نے کہا۔ یہ شیطان

کا حصہ ہے۔ پھر اسے اس چیز سے بھرا، جو اُن کے پاس تھی۔ ایک روایت میں اُسے شکبہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد داہنے اور بائیں کچھ اشارہ کیا گویا وہ کسی چیز کو مانگ رہا ہے۔ تو انہوں نے ایک انگشتری نور کی دی، جس کی نورانیت سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ اس کے بعد میرے دل پر مہر لگائی، اور میرا دل نور سے لبریز ہو گیا۔ اور وہ نور نبوت اور حکمت کا تھا۔ پھر دل کو اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ تو میں اس مہر کی سردی و خوشی مدت تک محسوس کرتا رہا۔

اور اسی طرح کے مواھب کے الفاظ ہیں کہا "فوجدت برد ذالک الخاتم فی صدری" تو میں نے اس مہر کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی۔

اور روضۃ الاحباب کی عبارت میں اس طرح کہا گیا ہے۔ کہ اس کی ٹھنڈک اور خوشی اب بھی جوڑوں اور رگوں میں پاتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ ٹھنڈک کا پایا جانا تمام عمر مبارک تک رہا رواللّٰہ اعلم) مدارج النبوۃ (اردو) جلد دوم ص ۳۲۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی مشہور و معروف تصنیف نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب میں اسی روایت کو یوں بیان کیا ہے۔

جناب حلیمہؓ کہتی ہیں..... ایک بار آپ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ مواشی چرانے میں پھر رہے تھے۔ کہ یہ بھائی دوڑتا ہوا آیا۔ اور مجھ سے اور اپنے باپ سے کہا۔ کہ میرے قریشی بھائی کو دو سفید کپڑے والے آدمیوں نے پکڑ کر لٹایا۔ اور شکم چاک کیا، میں اسی حال میں چھوڑ کر آیا ہوں، سو ہم دونوں گھبرائے ہوئے گئے، اور دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں۔ مگر رنگ خوف سے متغیر ہے۔ میں نے پوچھا۔ بیٹا کیا تھا۔ فرمایا۔ دو شخص سفید کپڑے پہنے ہوئے ہوئے آئے اور مجھ کو لٹایا اور پیٹ چاک کر کے اس میں کچھ ڈھونڈ کر نکالا۔ معلوم نہیں کیا تھا۔ (نشر الطیب ص ۵۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب میرے احشاکو پانی سے غسل دینے لگے تو دوسرے نے کہا۔ اولے کے پانی سے غسل دو۔ تو پانی اور اولے دونوں سے غسل دیا۔ مدارج النبوۃ (اردو) جلد دوم ص ۳۲۔

علامہ حکیم احمد حسین عثمانی ترجمہ تاریخ بن خلدون نے واقعہ شق الصدور پر بحث کرتے ہوئے اُن روایات میں اختلافات اور تضاد ثابت کرنے کے لئے تاریخ ابن خلدون کے صفحہ ۳۴، ۳۵ کے فٹ نوٹ پر دو روایات نقل کی ہیں، جن میں سے پہلی روایت تو نشر الطیب فی ذکر الحبیب کی روایت کے عین مطابق ہے (معلوم ہوتا ہے کہ مولانا تھانوی نے یہ روایت تاریخ اسلام ابن خلدون سے ہی نقل کی ہے۔) اور دوسری روایت جس کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ہیں، مسلم شریف سے نقل کی ہے۔

کہ ایک روز آنحضرت صلعم لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبرائیل آئے۔ ان کا دل چیرا اور ایک قطرہ نکال کر کہا، یہ حصہ شیطان کا تھا، اس کے بعد اس کو سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا، پھر اس کو بجنسہ جہاں رکھا تھا وہاں رکھ دیا۔ لڑکے یہ واقعہ دیکھ کر زہرہ آنحضرت صلعم کی کھلائی کے پاس آئے، اور کہا محمد (صلعم) کو ایک شخص نے مار ڈالا۔ وہ فوراً آپ کے پاس آئیں تو آپ کا رنگ فق پایا۔

انس کہتے ہیں کہ سِیُوَن کا نشان میں نے خود دیکھا، جو آپ کے سینہ پر تھا۔

روایات مذکورہ میں کوئی مطابقت نظر نہیں آتی، چنانچہ ان میں کچھ روایات ایسی ہیں۔ کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شق صدر کا واقعہ آپ کی دایہ جناب حلیمہ سعدیہ کے گھر قریب وقوع پذیر ہوا۔ مگر حضرت انس رضی بن مالک کی روایت جو صحیح مسلم سے نقل کی گئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شق صدر مکہ میں ہوا، یہ تو ہے ان روایات میں مقام واقعہ کا تضاد۔ لطف کی بات یہ ہے کہ صرف مقام کا ہی تضاد نہیں، بلکہ زمانہ کا بھی اختلاف ہے۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آپ کو بچپن میں پیش آیا جبکہ آپ کا سن مبارک چار چھ سال کا تھا، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ شق صدر کے وقت آپ کی عمر شریف دس سال تھی۔ ایک اور روایت جو انسؓ بن مالک سے منقول ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ شق الصدر شب معراج کو وقوع پذیر ہوا۔ یہ ہے ان روایات میں مقام کے علاوہ زمانہ کا اختلاف۔

مقام اور زمانہ کے اختلاف کے ساتھ ان روایات میں واقعہ کے واقعات میں بھی اختلاف ہے۔ ایک روایت میں سینہ مبارک کے چیرنے والے کا نام جبرئیل بیان کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس دوسری روایت میں اپریشن کرنے والے دو فرشتے بتائے گئے ہیں۔ کسی روایت میں ایک شخص اور کسی میں تین شخص مذکور ہیں۔

علاوہ ازیں قلب انور کو غسل دینے والی پانی اور برتنوں میں بھی اختلاف ہے کسی روایت میں آب زمزم

ہے۔ کسی میں اونٹوں کا پانی اور کسی میں برف کا پانی بتایا گیا ہے۔ کسی روایت میں سونا کا طشت بتایا گیا ہے اور کسی میں سبز زمرد کا لگن بیان کیا گیا ہے۔ ان روایات کا تضاد اور اختلاف ہی ان کے ناقابل اعتبار ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ انسؓ بن مالک والی روایت تو محض اس لئے قابل قبول نہیں کہ راوی واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے وقت موجود نہ تھا، اور نہ اس نے کسی دوسرے راوی کا نام بتایا ہے، جس کے ذریعہ سے یہ روایت اس تک پہنچی ہے۔ ان روایات کا تضاد اور اختلاف ہی اصل واقعہ کے بے اصل اور ایک بے حقیقت افسانہ ہونے کی واضح اور روشن دلیل ہے۔ ان روایات کے مختلف اور متضاد ہونے کے اعتراض سے بچنے کے لئے بعض علماء کہتے ہیں کہ شق الصدر کا واقعہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ متعدد بار وقوع پذیر ہوا، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ (اردو) جلد دوم کے صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شق صدر بچپن کے زمانہ کے ساتھ جبکہ آپ دائی حلیمہ سعدیہ کے گھر تشریف فرما تھے۔ مخصوص نہیں بلکہ متعدد مرتبہ شق صدر واقع ہوا ہے۔ ایک اس وقت جب کہ آپ چھ سال کے تھے اور روایت میں دسویں سال بھی آیا ہے۔ اور احادیث میں ثبوت کے ساتھ منقول ہے۔ کہ شب معراج میں بھی واقع ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے شق صدر کے بار بار واقع ہونے کے متعلق سورہ الم نشرح کی تفسیر میں ایک نکتہ لکھا ہے۔

کہ پہلی بار شق کرنا اس لئے تھا۔ کہ آپ کے دل سے حب لہو و لعب جو لڑکوں کے دل میں ہوتی ہے نکال دی جائے۔ اور دوسری بار اس لئے کہ جوانی میں آپ کے دل میں رغبت ایسے کاموں کی جو بمقتضائے جوانی خلاف مرضی الہی سرزد ہوتے ہیں۔ نہ رہے اور تیسری بار اس لئے کہ آپ کے دل کو قوت تحمل وحی ہو۔ اور چوتھی بار اس لئے کہ آپ کے دل کو طاقت مشاہدہ عالم ملکوت اور لاہوت کی ہو۔

(کذافی نشر الطیب ص۵ بحوالہ تاریخ حبیب آلہ)

اگر بقول بعض علماء سیر و تواریخ اس واقعہ کے بار بار وقوع پذیر ہونے، اور اس پر ان کی بیان کردہ تشریحات کو قبول کر لیا جائے۔ کہ کبھی یہ اپریشن آپ کے قلب اطہر سے شیطان کا حصہ نکالنے یا حب لہو و لعب کو دور کرنے کے لئے ہوا، کبھی ایسے امور کو ہٹانے کے لئے ہوا جو عالم شباب میں کسی انسان سے خلاف منشاء الہی

سرزد ہو سکتے ہیں۔ کبھی آپ کے دل کو نزول وحی کے برداشت کے قابل بنانے اور کبھی آپ کے قلب میں مشاہدہ لاہوت و ملکوت کی طاقت پیدا کرنے کے لئے ہوا، تو پھر وہ نبی جس کے اس دنیا میں تشریف لاتے ہی شیطان کا آسمانوں پر داخلہ بند ہو گیا، جس کے فرق مبارک پر اللہ تعالیٰ لولاک لما خلقت الافلاک کا تاج رکھا۔ اوّل ما خلق اللہ نوری کے خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا۔ جو ہوئے قرآن اوّل المسلمین اور اوّل العابدین ہے اس میں اور ایک عام خاطی انسان میں فرق کیا رہا؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ روایات آپ کی عظمت وجلالت بزرگی اور شرافت بالخصوص آپ کی عصمت وطہارت کے منافی ہیں۔ آپ کے قلب اطہر میں ایسے امور کی جانب رغبت کا موجود ہونا۔ جو مرضی الٰہی کے خلاف ہوں۔ قرآن مقدس کے ارشاد وَمَا تَشَاؤنَ اِلَّا اَن یَّشَاءَ اللہ کے مصداق پابند رضائے الٰہیہ کی صفت عزت اور فضیلت کے منافی ہی نہیں۔ بلکہ آپ کی ذات والاصفات پر ایک بہتان عظیم ہے۔

ایک طرف اس واقعہ کے متعلق جس قدر روایات بیان کی گئی ہیں، اُن کے متضاد اور مختلف ہونے سے ہی اس واقعہ کی افسانوی حیثیت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ دوسری طرف قرآن حکیم سے جو آپ کے حالات زندگی کا مرقع ہے۔ اس واقعہ کی اصلیت اور حقیقت کا کوئی پتہ نہیں ملتا۔ سوائے سورہ انشراح کی آیہ مبارکہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ کے ترجمہ کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (علم وحلم) سے کشادہ نہیں کر دیا۔ (تفسیری نوٹ) ص۵۔ یعنی علم بھی وسیع عطا فرمایا۔ (مولانا) اشرف علی تھانوی) اے رسول! کیا ہم نے تمہارا سینہ (علم سے) کشادہ نہیں کر دیا۔ (ضرور کیا) تفسیری نوٹ ص۳ اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو حضرت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ کو علم سے مملو (پُر) کرنے کو بیان فرمایا ہے۔ اس پر بعض مفسرین کے وہ اقوال کہ فرشتے نے رسول اللہ صلعم کے پیٹ کو سینہ تک چاک کیا، اور پھر دل کو دھویا۔ بالکل خلاف عقل وقیاس ہے (مولانا فرمان علی)

علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا یہ کہنا بھی غلط ہے۔ کہ

کہ غسل قلب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ تمام نبیوں کے لئے عام ہے، ان میں جو شیطان کا حصّہ ہوتا ہے۔ دور کر دیا جاتا تھا۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم ص۳۵)

کیونکہ قرآن حکیم میں سوائے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرح صدر

کے اور کسی نبی یا رسول کے شرح صدر کا ذکر نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت موسیٰ کا بھی شرح صدر ہوا اور آپ کا بھی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرح صدر میں بھی فرق ہے۔ حضرت موسیٰ کا شرح صدر آپ کی درخواست رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي (پروردگار میرا سینہ کشادہ کردے) پر ہوا۔ مگر آپ کا شرح صدر، اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے تمہارا سینہ "علم" سے کشادہ نہیں کر دیا۔) بغیر کسی التجا و استدعا کے ہوا۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انعام ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے سورہ الم نشرح میں بطور احسان بیان فرمایا ہے۔ کسی چیز کو مانگ کر حاصل کرنا اور ہوتا ہے۔ بغیر مانگنے کے بطور انعام ملنا اور بات ہے۔ حضرت موسیٰ کا شرح صدر ہوا، لیکن کتب تفاسیر سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ موسیٰ کا سینہ چاک کر کے قلب مبارک کو غسل دیا گیا ہو۔ اگر حضرت موسیٰ کا شرح صدر بغیر اپریشن کے ہو سکتا ہے۔ تو سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرح صدر کے لئے آپ کا سینہ مبارک چاک کیوں کیا گیا؟ یہی ایک سوال ہے جس کا جواب نہ آج تک ہوا ہے اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ شرح صدر مومنین کا بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ، سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ رستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ ان کے سینہ کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے سینہ کو تنگ بہت تنگ کر دیتے ہیں۔ جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے۔ (مولانا اشرف علی تھانوی)

(ترجمہ مولانا فرمان علی) خدا جس شخص کو راہ راست دکھانا چاہتا ہے۔ اس کے سینہ کو اسلام (کی ودلیعت) کے واسطے کشادہ کر دیتا ہے۔ اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے۔ اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے۔ گویا (قبول ایمان) اس کے لئے آسمان پر چڑھنا ہے۔ (تفسیری نوٹ صا)

جب یہ آیت نازل ہوئی اور صحابہ نے اس کا مطلب پوچھا، تو آپ نے فرمایا۔ جو ایمان لاتا ہے۔ خدا اس کے دل کو روشن اور منور کر دیتا ہے۔ کفار کے دل دھندلے اور تاریک رہتے ہیں۔ کسی نے پوچھا، اس کی پہچان کیا ہے۔ فرمایا ہمیشگی کے گھر کی طرف رجوع کرنا، مردوں کے گھر سے کنارہ کش رہنا اور مرنے پر ہر وقت مستعد اور تیار رہنا۔ یہ ہے نورانی قلب کی شناخت۔

اسی مقصد کی ایک آیت سورہ الزمر میں بھی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِ

سْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ط سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام (کے قبول کرنے) اور وہ اپنے پروردگار (کے عطا کئے ہوئے) نور پر ہے۔

آیات مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام قبول کرنے والوں کے قلوب کو حصول اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے۔ اور مخالفین اسلام کے دلوں کو "ضیقا" تنگ کر دیتا ہے۔ لیکن آج تک کسی فرد بشر کے مشاہدہ میں یہ بات نہیں آئی، کہ کسی مومن کے شرح صدر کے واسطے ملائکہ نے پیٹ چاک کیا ہو۔ یا کسی کافر کے دل کو تنگ کرنے کے لئے شکنجہ میں کسا ہو۔ اگر قلب مومن کو حصول اسلام کے سلئے بغیر اپریشن کے کشادہ کیا جا سکتا ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب مطہرہ بغیر چیر پھاڑ کے علم و حلم سے پُر کرنے کے واسطے کشادہ نہ ہو سکیں۔

اب ہم اپنے تمام سابقہ بیان کی تائید میں ملا علی قاری کی شرح بدُ الامالی سے آیہ مبارکہ الم نشرح کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ وَصدرُ الشَّیْئِ اَیْضًا اَوَّلُہٗ فَفِی التعبیر بہٖ اشیاءٌ الی اَنَّہٗ اَوَّلُ الرُّسُلِ وُجُوْدًا کَمَا اَنَّہٗ اٰخِرُھُمْ شُھُوْدًا عَلٰی مَا وَرَدَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ اَوْ رُوْحِیْ وَکُنْتُ نَبِیًّا اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ صَدْرُ الشَّیْئِ۔ شیئ کے اوّل کو کہا جاتا ہے۔ یہاں صدر کے لفظ کو استعمال کرنا۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ تمام رسولوں سے اوّل ہیں۔ جیسا کہ آپ کا ظہور آخر میں ہوا، اس بنا پر جو مذکور ہوا ہے۔ اوّل مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِی۔ آپ نے فرمایا سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا گیا۔ یا میری روح کو خلق کیا گیا، اور میں نبی تھا۔ اس وقت جب حضرت آدم علیہ السّلام مٹی اور پانی میں تھے۔ (کذا فی مقیاس النور صـ۳۴ بحوالہ شرح بدُ الامالی لعلی القاری ۳۵۔

ملا علی قاری کے اس بیان کے بعد شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ کہ واقعہ شق الصدر کے متعلق جس قدر احادیث و روایات کتب تفاسیر اور تواریخ میں مذکور ہیں۔ وہ تمام کی تمام وضعی ہیں۔ جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر ان احادیث و روایات میں صداقت کا کچھ بھی شائبہ ہوتا۔ تو مولانا

لہ صدر کے معنی بروے لغت الصدر، مقدم کل شی واولہ۔ صدر ہر شے کے مقدم اور اوّل کو کہتے ہیں۔

شبلی نعمانی ایسا محقق مورخ اور سیرۃ نگار اتنے اہم واقعہ کو ہرگز نظرانداز نہ کرتا۔ غالباً یہ احادیث و روایات بعض دوسری حدیثوں اور روایتوں کی طرح بنی امیہ کی حدیث ساز فیکٹری کی تیار کردہ ہیں جن پر مولانا شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں بعنوان "فن تاریخ و روایت پر خارجی اسباب کا اثر" تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حدیثوں کی تدوین بنی امیہ کے زمانے میں ہوئی جنہوں نے پورے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی۔ اور جمعہ میں بر سر منبر حضرت علی علیہ السّلام پر لعن کہلوایا۔ سینکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔

عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا عین اسی زمانہ میں محدثین نے علانیہ منادی کر دی۔ کہ یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں۔ آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے۔ اور بنوامیہ و عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے۔ اسی مقام پر نظر آتے ہیں۔ جہاں اُن کو ہونا چاہیئے تھا۔

لہ مولانا شبلی نعمانی کا یہ ارشاد "کہ آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے" حقیقت پر مبنی نہیں جس کا اقرار کرتے ہوئے آگے چل کر خود ہی فرماتے ہیں۔

تاہم یہ عالمگیر مؤثر بالکل بے اثر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لئے مغازی میں اس کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ (سیرۃ النبیؐ حصہ اوّل ص۴۹)

یہ اسی عالمگیر مؤثر کا ایک اثر ہے۔ کہ اہل اسلام سے ہی ایک گروہ آپ کے بشری قد و قامت۔ جسم و جسامت، اعضاء و جوارح، شکل و صورت اور اس میں جملہ بشری لوازمات مثلاً کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، بیمار ہونے کی صورت اور زخمی ہونے کی حالت میں علاج معالجہ، ازدواجی زندگی اور سلسلہ توالد و تناسل کو دیکھ کر آپ کو اپنے ایسا بلکہ اپنے سے کم درجہ کا بشر ثابت کرنے کے لئے عقلی اور نقلی دلائل کے طومار لگا رہا ہے۔ آپ کو علوم خاصہ و عامہ سے بے بہرہ ثابت کرنے کے واسطے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا ہے۔ اس منزل میں آدم سے لیکر خاتم تک تمام انبیاء کو یکساں جانتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ مختلف ممالک کے وفود جب آپ کی خدمت میں آتے ہیں۔ تو آپ ان سے انہیں کی زبان میں

نہایت بے تکلفی سے گفتگو فرماتے ہیں۔ یہ مختلف زبانوں کے سمجھنے اور بولنے کی تعلیم آپ کو کس سند دی ہے۔ فرمایا ادبنی ربّی فاحسن تادیبی۔ مجھے میرے ربّ نے تعلیم دی اور بہترین تعلیم دی۔ مگر ان حضرات کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اردو زبان کا علم اس وقت ہوا۔ جب کہ آپ کا واسطہ علمائے دیوبند سے پڑا۔ چنانچہ مولانا خلیل احمد انبیٹھی اپنی مشہور و معروف تصنیف براہین قاطعہ کے ص۲۶ پر لکھتے ہیں۔

مدرسہ دیوبند کی عظمت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت ہے۔ کہ صدہا عالم یہاں سے پڑھ کر گئے۔ اور خلق کثیر کو ظلمات وضلالت سے نکالا یہی سبب ہے۔ کہ ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے، تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی آپ تو عربی ہیں فرمایا جب سے علمائے مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آگئی۔ . . . . سبحان اللہ اس سے رتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا۔

کیسی معصومیت کے ساتھ اور کس بھولے بھالے انداز میں اپنے مدرسہ کی عظمت کا سکہ بٹھایا جارہا ہے

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا۔
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔

مولانا خلیل احمد انبیٹھی کی بیان کردہ اس روایت پر بنظر تعمق غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر خدا نخواستہ یہ مدرسہ قائم نہ ہوتا۔ تو ممکن تھا کہ رسول خدا صلعم باوجود عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ کے سند یافتہ ہونے کے بھی قیامت تک اردو زبان سے ناآشنا ہی رہتے۔

یہ امر کس قدر حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔ کہ ایک طرف تو علمائے دیوبند کو ایک طرح سے آنحضرت صلعم کا اُستاد کہا جارہا ہے۔ اور دوسری طرف نبی اور اُمت کے مابین علم کو فصل ممیز قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد قاسم بانی مدرسہ دیوبند تحذیر الناس کے صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں۔

انبیاء اگر اپنی اُمت سے ممتاز ہوتے ہیں۔ تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر اُمتی مساوی ہوجاتے ہیں۔ بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔

مولوی نانوتوی کے اس بیان سے اس کے سوا اور کیا نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ انبیاء اپنی اُمت سے صرف علم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس عملی لحاظ سے انہیں کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ عمل کے میدان میں کبھی بظاہر اُمتی اپنے نبی کے برابر ہوجاتے ہیں۔ اور کبھی بڑھ بھی جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا

کہ نبی بھی افرادِ اُمت سے ایک فرد ہوتا ہے جس کا کام اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس کے بندوں تک پہنچانا ہے لہٰذا اس حالت یعنی نبّوتی حیثیت میں نبی سے نہ کوئی غلطی ہو سکتی ہے اور نہ کوئی خطا کر سکتا ہے۔ مگر بحیثیت بشر اجتہادی غلطیوں سے مبرہ نہیں رہ سکتا۔

جناب جسٹس محمد شفیع جج پاکستان ہائیکورٹ نے حضانت (پرورشِ اطفال) کے ایک مقدمہ رشیدہ بیگم بنام شہاب الدین وغیرہ کی اپیل کا فیصلہ میں ۲۱ جولائی ۱۹۶۰ء کو کیا جو P.L.D. 1960 لاہور کے صفحہ ۱۴۲ تا ۱۷۰ درج ہے اس فیصلہ میں فاضل جج نے نفس معاملہ کے علاوہ اس امر پر بھی نہایت شرح و بسط سے روشنی ڈالی ہے کہ اسلام میں آئین سازی کا طریقہ کیا ہے۔ کیا کتاب خدا کے ساتھ سنت رسُول بھی ماخذِ قانون ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا مودودی نے ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور کے "منصب رسالت نمبر" میں مسٹر جسٹس محمد شفیع کے اس نظریہ پر کہ "سُنّت" قانون سازی میں بنیادی طور پر کام نہیں آسکتی۔ سیر حاصل نقد اور تبصرہ کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مولانا مودودی کا یہ اقدام قابل صد ستائش ہے کہ انہوں نے عین اس وقت جب کہ ملک میں آئین کی تشکیل کا کام زیر غور تھا۔ قانون ساز جماعت کو یہ باور کرانے کی پوری پوری کوشش کی کہ کتاب خدا کے ساتھ سنّت رسول بھی قانون سازی میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے اس کے بغیر احکام قرآن کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا ناممکن ہے۔

لیکن ترجمان القرآن کے اس اسپیشل نمبر کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ بعض مقامات پر ایک نہایت اہم اور بنیادی مسئلہ ضمنی طور پر زیر بحث آگیا ہے۔ جس پر مولانا موصوف نے محض علمائے سلف کے قول و اقوال کی تاسی میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ ایسا نہ تھا کہ اس کو صرف نظر کر دیا جاتا بالخصوص ایسے وقت میں جب کہ عیسائی مشنری، عیسائیت کی تبلیغ میں تمام طاقت صرف کر رہی ہے اور داعی اسلام و بانی اسلام سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد المجتبیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی ذات اقدس پر بہتان تراشیاں کر کے مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ وہ اہم مسئلہ جو مولانا موصوف کی توجہ اور تحقیق کا خصوصی

---

[1] ملک خداداد پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے قریباً نو سال بعد ۱۹۵۶ء میں بزمانہ چوہدری محمد علی وزیراعظم پاکستان مرتب ہوا۔ پھر اکتوبر ۱۹۵۸ء میں جب عسکری انقلاب آیا تو اس کے ساتھ ہی ۱۹۵۶ء کا آئین بھی منسوخ

طور پر مستحق تھا جس کو مسٹر جسٹس محمد شفیع نے اپنے فیصلہ کے فقرہ نمبر ۱۳ میں یوں تحریر کیا ہے۔

میرے لئے اس بات پر زور دینے کی خاطر قرآن مجید کی آیات نقل کرتے جانا غیر ضروری ہے کہ محمد رسول اللہ اگرچہ بڑے عالی مرتبہ انسان تھے مگر ان کو خدا کے بعد دوسرا درجہ ہی دیا جا سکتا ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے ماسوا اس وحی کے جو ان کے پاس خدا کی طرف سے آتی تھی، وہ خود اپنے بھی کچھ خیالات رکھتے تھے۔ اور اپنے ان خیالات کے زیر اثر وہ کام کرتے تھے کہ محمد رسول اللہ نے کوئی گناہ نہیں کیا، مگر وہ غلطیاں تو کر سکتے تھے۔ اور یہ حقیقت خود قرآن میں تسلیم کی گئی ہے۔ (منصب رسالت نمبر ۲۶۲، ۲۶۳)

فاضل جج کے مذکورہ فیصلہ کے مندرجہ بالا پیراگراف کا مفہوم سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوتی اور بشری دو الگ الگ حیثیتیں تھیں، نبوتی حیثیت میں نہ ان سے کوئی گناہ ہوا۔ اور نہ کوئی خطا یا لغزش سرزد ہوئی، یعنی وہ معصوم عن الخطا تھے مگر بشری حیثیت میں ان سے غلطی ہو سکتی تھی۔ جس کو دوسرے الفاظ میں اجتہادی غلطی (خطائے اجتہادی) کہا جا سکتا ہے۔ اور ایسی اجتہادی غلطیاں آپ سے ہوتی بھی رہیں۔

مولانا مودودی صاحب نے اس نظریہ کی تردید کرنے کے بجائے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منزل اعلیٰ علیین پر فائز ہونے کے باوجود بشر ہونے کی حیثیت میں غلطیاں اور خطائیں کر سکتے تھے۔ مسٹر جسٹس محمد شفیع صاحب کے خیالات کی صرف تائید ہی نہیں کی۔ بلکہ ان غلطیوں اور خطاؤں کی قرآن حکیم سے نشاندہی کی۔ ان کی تعداد مقرر کی انہیں ایک ایک کر کے گنوایا ہے

مولانا صاحب کے لئے فاضل جج کے اس پیراگراف پر اظہار خیال فرماتے ہوئے آنحضرت صلعم سے ہونے والی غلطیوں اور خطاؤں کی قرآن حکیم سے نشاندہی کرنے کے بجائے بہتر تھا کہ وہ اس فقرہ کو نظر انداز کر دیتے اور اس پر کسی طرح سے کوئی تبصرہ نہ کرتے تو اس نظریہ کی جو بقول فاضل جج صدیوں سے ذی علم طبقہ میں متوارث

ہو گیا چنانچہ یہ وہی زمانہ تھا جب کہ پہلے آئین کی منسوخی کے بعد دوبارہ حکومت سے ملک کے آئین کی تشکیل کا شدت سے مطالبہ ہوا اور حکومت نے یقین دلایا کہ جلد از جلد آئین کی تشکیل کی جائے گی تشکیل آئین کے مطالبہ کے ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی تھا، کہ اساس آئین مملکت قرآن اور سنت ہو۔ (واصف نقوی)

چلا آرہا ہے۔ عوام میں اس قدر شہرت نہ ہوتی، کیونکہ پی ایل ڈی، صرف ججوں اور وکیلوں کے پڑھنے تک محدود ہے۔ عوام کا اس میں شائع ہونیوالے مواد سے کوئی واسطہ نہیں۔ عوام سے چاہے کوئی کتنا ہی تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو اس قانونی مجلہ کا مطالعہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اور اگر علامہ مودودی صاحب کو اس پر قلم اٹھانا ہی تھا، تو پھر تقلید سلف کی بندشوں سے آزاد ہو کر بے خوف وخطر اپنے محققانہ انداز میں اس نظریہ یا عقیدہ کی رد کرتے۔ آپ کے علم وفضل کے پیش نظر ہمیں یقین ہے کہ ایسا کرنا آپ کے لئے کچھ دشوار نہ تھا جب کہ معمولی غور و فکر سے قرآن مجید سے ہی اس نظریہ کا ابطال ہو سکتا تھا۔[1]

مسٹر جسٹس محمد شفیع صاحب (رکن پاکستان ہائی کورٹ لاہور) نے تو اپنے فیصلہ کے فقرہ نمبر ۱۲ میں جزنا اتنا لکھا۔

یہ سچ ہے کہ محمد رسول اللہ نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ لیکن وہ غلطیاں تو کر سکتے تھے۔

پھر اپنے اس نظریہ کی تائید میں قرآن مقدس صرف ایک آیت لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ پیش کر کے اس بحث کو ختم کر دیا۔ علامہ مودودی نے فاضل جج کے اس نظریہ پر اور رنگ چڑھایا، اور اس کو مزید تقویت بخشنے کے لئے قرآن مجید سے کئی اور آیات پیش کر دیں۔ چنانچہ ترجمان القرآن" کے "منصب رسالت نمبر" کے صفحہ ۳۱۱، ۳۱۲ پر بعنوان "حضور کی سُنّت غلطیوں سے پاک ہے یا نہیں؟ فرماتے ہیں۔

فاضل جج فرماتے ہیں۔ یہ صحیح ہے "کہ محمد رسول اللہ نے کوئی گناہ نہیں۔ مگر وہ غلطیاں تو

---

[1] منصب رسالت نمبر سے یہ چند اقتباس پیش کرنے کا مقصد نہ علامہ سید ابو الاعلیٰ مودودی مدظلہ سے مناظرہ کرنا ہے۔ اور نہ آپ کی ذات گرامی کو ہدف تنقید بنانا مطلوب ہے۔ ہم تمام علمائے کرام کا خواہ وہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں۔ احترام کرنا اپنا فرض جانتے ہیں۔ بالخصوص علامہ صاحب جو سالہا سال سے دین کی قلمی خدمت کر رہے ہوں۔ ہمارے نزدیک قابل تحسین اور لائق ستائش ہیں اسی لئے ہم نے اپنے قلم کو اس اہم ترین مسئلہ پر بھی علامہ مدظلہ کے تعاقب میں نہیں لگایا ورنہ اس نظریہ کی رد کے لئے قرآن مقدس سے ایک دو نہیں۔ بلکہ بیسیوں آیات پیش کی جا سکتی ہیں جو کچھ لکھا بھی گیا ہے۔ اس کا محرک صرف جذبہ محبت رسول ہے۔

(آصف نقوی)

کر سکتے تھے۔ اور یہ حقیقت خود قرآن میں تسلیم کی گئی ہے۔" اس کے متعلق اگر قرآن کا تتبع کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے صرف پانچ مواقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غلطی پر تنبیہ فرمائی ہے۔ ایک سورہ انفال آیت ۶۷، ۶۸ میں دوسرے سورہ توبہ آیت ۹[1] میں۔ تیسرے سورہ احزاب آیت ۳۷ میں، چوتھے سورہ تحریم آیت ا میں، پانچویں سورہ عبس آیت ۱، ۱۰ میں، چھٹا مقام جہاں گمان کیا جاسکتا ہے کہ شاید یہاں کسی غلطی پر تنبیہ کی گئی ہے وہ سورہ توبہ کی آیت ۴۳ ہے پورے ۲۳ سال کے زمانہ نبوت میں ان پانچ یا چھ مواقع کے سوا قرآن مجید میں نہ حضور کی کسی غلطی کا ذکر آیا ہے۔ نہ اس کی اصلاح کا۔

لیکن اکابرین دیوبند اس مسئلہ میں مسٹر جسٹس محمد شفیع اور مولانا مودودی سے بھی کئی ہاتھ آگے نظر آتے ہیں۔ دروغ..... (جھوٹ) جس کی آیات واحادیث میں یوں مذمت کی گئی ہے۔ اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ دروغگو فاسق ہوتا ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ جھوٹ اور بت پرستی ہم پلہ اور ہم وزن ہیں۔ اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ دروغگو ایمان نہیں رکھتا۔ اِنَّ لَعْنَۃَ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنْ کَانَ مِنَ الْکَاذِبِیْنَ۔ اللہ تعالیٰ جھوٹے پر لعنت کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہْدِیْ مَنْ ھُوَ کَاذِبٌ کَفَّارٌ۔ خداوند عالم جھوٹے کو نہ ہدایت فرماتا ہے۔ اور نہ راہ راست پر لگاتا ہے۔ جھوٹا مبغوض خدا ہوتا ہے۔ جھوٹ مخرب ایمان ہے۔ حاملان عرش جھوٹے پر لعنت بھیجتے ہیں۔ جھوٹ علامت نفاق ہے۔ جھوٹ فجور اور جھوٹا فاجر ہوتا ہے۔ دروغ ام الخبائث ہے۔ دروغ مرض ہائے نفسانیہ سے ایک بدترین مرض ہے۔ جھوٹ شیطان کا پیچ ہے چنانچہ ان کے نزدیک انبیاء علیہم السّلام اس سے بھی بری نہیں، ان کے مذہب میں صریحی جھوٹ کی ہر قسم

---

[1] آیت نمبر ۹ کا حوالہ غلط ہے۔ کیوں کہ اس آیت کا مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے آیت یوں ہے۔ لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّۃً ط وَاُولٰٓئِکَ..... ھُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ ترجمہ یہ لوگ کسی مسلمان کے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں۔ اور نہ قول وقرار کا۔ اور یہ لوگ بہت سی زیادتی کر رہے ہیں۔ (اشرف علی تھانوی) غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے۔ جو کاپی ریڈنگ میں باقی رہ گئی ہے۔ علامہ صاحب نے یقیناً یہاں آیہ نمبر ۴۳ لکھی ہوگی۔ کیونکہ سورہ توبہ میں یہی ایک آیت ہے، جس کو فاضل جج اور علامہ صاحب مدظلہ اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کر سکتے ہیں۔ (واصف نقوی)

سے نبی کا معصوم ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ مولوی محمد قاسم نانوتوی تصفیۃ العقاید میں لکھتے ہیں۔

پھر دروغ صریح بھی کئی طرح پر ہوتا ہے۔ جن میں سے ہر ایک کا حکم یکساں نہیں، ہر قسم سے نبی کو معصوم ہونا ضروری نہیں۔ (کذا فی الحق المبین ص ۹۵ بحوالہ تصفیۃ العقاید ص ۲۵)

مولانا نانوتوی کے اس عقیدہ پر کہ نبی کا صریح جھوٹ کی ہر قسم سے معصوم ہونا ضروری نہیں حیرت اور تعجب کیوں نہ ہو۔ جبکہ رسول اللہ صلعم کا سب سے بڑا دشمن ابوسفیان اموی بھی قیصر روم کے اس سوال پر کہ کیا تم نے اس شخص (محمد) کو دروغگو بھی پایا۔" آپ کو مطعون کرنے کے لئے ہاں نہ کرسکا۔ اور چار ونا چار آپ کی صداقت کا اقرار کرنا پڑا۔ اس پر قیصر روم بے ساختہ پکار اٹھا۔ جو شخص خدا کے بندوں کے معاملات میں دروغگوئی نہیں کرتا۔ وہ خداوند عالم کی ذات پر کیسے افترا باندھ سکتا ہے۔

اگر مولانا نانوتوی قیصر روم ایسے غیر مسلم عیسائی کے اس حقیقت افروز جملے پر کہ" چالیس سال تک انتہائی صداقت و شرافت سے وقت گزارنے والا معصوم انسان یکایک خدا پر تہمت نہیں جوڑ سکتا" غور کر لیتے۔ تو انبیاء علیہم السلام پر جواز بہتان لحد محفوظ عن الخطا اور معصوم ہوتے ہیں۔ کبھی دروغ کا بہتان نہ باندھتے۔ پھر آگے چل کر اسی کتاب کے صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں۔

بالجملہ علی العموم کذب کو منافی شان نبوت بایں معنی سمجھنا۔ کہ یہ معصیت ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام معاصی سے معصوم ہیں۔ خالی از غلطی نہیں۔ (کذا فی الحق المبین ص ۹۵ بحوالہ تصفیۃ العقائد۔

کاش کہ مولانا نانوتوی صاحب انبیاء کی عصمت کا انکار کرنے سے قبل اتنا سوچ لیتے۔ کہ

(۱) اگر نبی معصوم نہ ہو تو اس کی تبلیغ قابل قبول نہ ہوگی، کیونکہ عصمت کے بغیر اس کی ہر بات میں جھوٹ کا احتمال ہوگا۔

(۲) نبی کے لئے دعوئ نبوت کا اثبات بغیر عصمت کے محال ہے۔ کیونکہ اگر اس سے گناہوں کا سرزد ہونا جائز ہو تو من جملہ گناہوں کے ایک جھوٹ بھی ہے۔ جب اس کی باتوں میں جھوٹ کا احتمال ہوگا۔ تو دعوئ نبوت میں بھی یہ احتمال باقی رہے گا۔ لہذا اس کی نبوت ثابت نہ ہوسکے گی۔

(۳) اگر نبی گنہگار ہو بلکہ اپنے تمام اقوال و افعال میں اللہ کا فرمانبردار نہ ہو، تو لوگوں پر اس کی تبلیغ کا اثر کچھ نہ ہوگا۔

(۴) جو شخص خود عامل نہ ہو۔ لوگوں کے دلوں سے اس کا وقار اُٹھ جاتا ہے۔ اور اس کی بات کا اثر نہیں رہتا۔ لہذا ایسے شخص کو نبی بنانا مضحکہ خیز ہوگا۔

(۵) بعثت انبیاء کا مقصد ہے اصلاح، اگر نبی خود ہی گنہ گار ہو تو اس کو لوگوں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح کی ضرورت ہوگی، کیا اس کی اصلاح اُمت کرے گی۔ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ اُمتی خود گنہ گار اور قابل اصلاح ہو، جو خود قابل اصلاح وہ کسی اور کی اصلاح نہیں کر سکتا۔ تو پھر کوئی اور نبی آئے گا۔ اور اگر آنے والا نبی معصوم نہ ہوا تو پھر اس کے لئے کوئی اور نبی لانا پڑے گا اس طرح یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

(۶) اگر نبی معصوم نہ ہوا تو ظاہر ہے باقی اُمت جیسا ہوگا۔ ایسی صورت میں اس کو نبی بنانا، ترجیح بلا مرجح ہوگی، جو عدل کے منافی ہے۔

(۷) نبی اگر خود گنہ گار ہو تو عین ممکن ہے۔ کہ اُمت کے ساتھ شریک گناہ ہو جائے۔ یہ مصلحت خداوندی کے خلاف ہے۔

(۸) اگر نبی گنہ گار ہوگا۔ تو اُمت کے اختلافی مسائل میں اس کے عدل پر اعتماد نہ ہوگا۔ بلکہ ظلم کا امکان رہے گا۔ یہ تمدنی اصلاح کے خلاف ہوگا۔

(۹) جس نے بعد میں لوگوں کو منع کرنا ہو۔ اگر پہلے خود کرتا رہا ہو، تو لوگ اسکی بات پر اعتماد نہ کریں گے بلکہ کہیں گے، کل تک خود ہی کچھ کرتا رہا ہے۔ اور آج ہمیں منع کرتا ہے۔

(۱۰) جس سے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے، چاہے معمولی بھول چوک (خطائے اجتہادی) ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ اس کی طبیعت میں گناہوں کے اقدام کی جرأت موجود ہے۔ ایسے شخص سے ہر زمانہ میں چاہے زمانہ بعثت سے قبل کا ہو یا بعد کا گناہ کا امکان ہو سکتا ہے۔ منقول از لمعۃ الانوار مولانا حسین بخش جاڑا صـ۲۲۲، صـ۲۲۳ /

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ایسا بشر سمجھنے کا اصل سبب شق الصدر کا واقعہ اور نزول وحی اوّل کی وہ کیفیت ہے۔ جو اکثر کتب تفاسیر اور سیر و تواریخ میں مذکور ہے۔ چنانچہ ان ہر دو واقعات کو ایسے معصومانہ طریقہ اور بھولے بھالے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ کہ جن کو پڑھ یا سن کر معمولی غلط فہمی یا ذرا سی لغزش سے بے شمار سعید روحوں کے عقیدہ میں تزلزل پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ سیّد الانبیاءؑ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ایک عام بشر سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی ذی شعور

بخاری شریف کی اس حدیث پر معترض ہو، کہ غار حرا میں بحالت تنہائی اچانک وحی کے آجانے سے آپ پر پریشانی اور اضطراب کیوں طاری ہو گیا تھا۔ تو معترض کو یہ کہکر مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہ نبی کریم صلعم کا یہ اضطراب نبوت کی ذمہ داریوں کے احساس کا نتیجہ تھا۔

بعض محدثین کا خیال ہے۔ اوّلاً خواب میں آپ پر اسرار قدرت منکشف ہونے شروع ہوئے۔ جو کچھ آپ عالم خواب میں مشاہدہ فرماتے۔ پھر بحالت بیداری میں بعینہٖ وہی کچھ پیش آتا۔ صحیح بخاری باب بدء الوحی وکتاب التعبیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کہ ایک دن جبکہ آپ حسب معمول غار حرا میں مراقبہ (عبادت) میں معروف تھے۔ فرشتہ غیب آپ کے پاس آیا۔ اور کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ، اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ، (اے رسولؐ) پڑھ اس خدا کا نام لے کر جو کائنات کا خالق ہے، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ! کہ تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ وہ جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ جس نے انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی۔ جن کو وہ جانتا نہ تھا

آپ گھر واپس تشریف لائے، تو جلال الٰہی سے لبریز تھے[1]۔

صاحب سیرت النبیؐ مولانا شبلی نعمانی اس روایت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

آپ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو عربی زبان جانتے تھے۔ اور توریت وانجیل کے ماہر تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واقعہ کی کیفیت سُنی، تو کہا یہ وہی ناموس ہے۔ جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔

روایت میں ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈر پیدا ہوا۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا آپ متردد نہ ہوں۔ خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ پھر وہ آپ کو ورقہ کے پاس لے گئیں۔ انہوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔

---

[1] محدثین کی اصطلاح میں ایسی روایت کو مرسل کہتے ہیں۔ جس کا راوی واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے موقع پر موجود نہ ہو۔ چنانچہ اس کی راویہ حضرت عائشہؓ ہیں۔ جو اس وقت پیدا بھی نہ ہوئی تھیں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان سے بے شُبہ یہ الفاظ نکلے۔ مجھ کو ڈر ہے۔" لیکن یہ تردد، یہ ہیبت، یہ اضطراب، جلال الہیٰ کا تأثر اور نبوّت کے بارگراں کی عظمت کا تخیّل تھا صحیح بخاری باب التعبیر میں ہے۔ کہ چند روز تک جب وحی رُک جاتی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تھے۔ کہ آپ نہ آ کے گرا دیں۔ دفعتہً حضرت جبرائیل نظر آتے تھے۔ اور کہتے تھے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم واقعی خُدا کے پیغمبر ہو، اس سے آپ کو اس وقت تسکین ہو جاتی تھی۔ لیکن پھر جب وحی۔۔۔ کچھ دنوں کے لئے رُک جاتی تھی، تو پھر آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے۔ پھر حضرت جبرائیل نمایاں ہو کر تسکین دیتے، کہ آپ واقعی خدُا کے پیغمبر ہیں۔ (سیرت النبی ج ا صـ ۱۴۸)

اس حدیث کے ابتدائی حصّہ میں جو یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ نزُول وحی اوّل کے وقت جو اضطراب اور پریشانی آپ پر طاری ہو گئی تھی، اس تردّد اور ہیبت کو ورقہ بن نوفل کی تسلّی آمیز باتوں نے ہی آپ کے دل سے دور کیا تھا۔ یعنی آپ کے پاس غار میں آنے والا وہ ناموس ہے جو اس سے قبل موسیٰ کے پاس آ چکا ہے اور یہ کہ آپ نبی ہیں۔ اس پر صاحب عقل و ہوش انسان کے دل میں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایک نبی کو اپنی نبوّت پر کیونکر شک ہو سکتا ہے۔ اور اگر بفرض محال شک ہو بھی تو ایک عیسائی کے تسکین دلانے سے تسکین کیسے ہو سکتی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کے جواب میں:۔

ایک مشہور محدّث کا قول نقل کیا ہے۔ کہ نبوّت ایک امر عظیم ہے۔ اس کا تحمل دفعتہً نہیں ہو سکتا۔ اس نے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خواب کے ذریعہ سے اس سے مانوس کیا گیا۔ پھر جب دفعتہً فرشتہ نظر آیا۔ تو آپ اقتضائے بشریّت سے خوفزدہ ہو گئے حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسکین دی۔ پھر جب ورقہ نے تصدیق کی تو آپ کو پورا یقین ہو گیا۔ محدث مذکور کے الفاظ یہ ہیں۔ فَلَمَّا سَمِعَ کَلَامَهُ اَیْقَنَ بِالْحَقِّ وَ اَعْتَرَفَ بِهِ۔ جب آپ نے ورقہ کا کلام سُنا، تو آپ کو حق کا یقین آ گیا۔ اور آپ نے اس کا اعتراف کیا۔ (سیرت النبی بحوالہ فتح الباری شرح صحیح بخاری (کتاب التعبیر) جلد ۱۲ صـ ۳۱۷)

ابن حجر مکّی ایسے مشہور محدّث کے اس قول سے کہ "ورقہ کا کلام سُن کر آپ کو حق کا یقین آ گیا" یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جس امر کا آپ کو علم نہ تھا اس سے ورقہ نے ہی آپ کو آگاہ کیا تھا۔ یعنی کہ آپ نبی ہیں اور

غار میں آپ کے پاس آنے والا ناموس اعظم (وحی) تھا۔ یا یوں کہ جس امر پہ آپ کو روح الامین یقین نہ دلا
یا جو بات اس مقرب بارگاہ الٰہی ملک سے نہ بن سکی وہی بات بالآخر ایک عیسائی نے سمجھا دی۔ اور نہ آپ کو ا
نبوّت کا یقین ہوگیا۔

لیکن جب ہم ترمذی شریف کی اس حدیث پر نگاہ ڈالتے ہیں کہ قبل از بعثت سفر شام میں آپ جس د
کے سایہ میں تشریف فرما تھے، اس کی تمام شاخیں آپ پر جھک آئیں، اسی سے بحیرہ راہب نے آپ کے نبی ہو
کا یقین کیا تھا۔ یا پھر جب صحیح مسلم کی اس حدیث پر نظر کرتے ہیں کہ حضور علیہ السّلام نے فرمایا، میں اس پتھر کو پہچا
ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے یا رسول اللہ کہہ کر سلام کرتا تھا۔ بلکہ بعض کتابوں میں ہے کہ ہر شجر و حجر جس کے پا
سے آپ کا گذر ہوتا، آپ کو یا رسول اللہ کہکر سلام کرتا تھا۔ یا پھر شق الصدر کا واقعہ جو کتب صحاح میں وا ضح
طور مندرج ہے۔ تو ہمیں بے حد حیرت ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ ان روایات کو بیان کرنے
والوں نے یہ کیسے یقین کرلیا۔ کہ غار میں فرشتے کا آنا ایک ایسا نرالا واقعہ تھا کہ جس سے آنحضرت صلعم خوفز
ہوگئے۔ اور ورقہ بن نوفل نے بمشکل تمام آپ کو تسکین دلائی۔ لیکن ورقہ کے تسلی دلانے کے باوجود بھی بار بار آپ پ
اضطراب ہوتا رہا۔ اس اضطرابی حالت میں خود کو پہاڑ سے گرادینے کے ارادہ سے کسی پہاڑ پر جا چڑھتے۔
آپ کو خودکشی سے باز رکھنے کے بار بار جبرائیل امین کو آنا پڑا۔ **کیا کسی اور پیغمبر کو بھی ابتدائے وحی میں
کبھی ایسا شک ہوا تھا؟**

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے پاس کوئی فرشتہ نہیں آیا تھا بلکہ آپ کو ایک درخت سے آواز آئی کہ
اِنِّی اَنَا رَبُّکَ (بے شک میں تمہارا رب ہوں) موسیٰ علیہ السّلام کو اس پر نہ کوئی حیرت ہوئی۔ اور نہ شبہ ہو
لیکن یہ کس قدر افسوسناک امر ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السّلام تو درخت سے کلام سُن کر نہ ڈریں نہ گھبرائیں نہ اپنی نبوّت
پر شک کریں۔ مگر امام الانبیاء سید المرسلین کنت نبیا وآدم بین الماء والطین کے دعویٰ دار کے پاس خدا
بھیجا ہوا فرشتہ آئے تو آپ خوفزدہ ہو جائیں۔ اور اس قدر گھبرا جائیں کہ باوجود یقین دلانے کے اپنے نبی ہ
جانے پر مشکوک ہی رہیں۔

ابتدائے نزول وحی میں آنحضرت پر جو اضطراب طاری ہوا تھا۔ یا آپ گھبرا گئے تھے۔ اس کے متعلق
بعض علماء کہتے ہیں۔ کہ یہ اضطراب نبوّت کی ذمہ داریوں کے احساس کا نتیجہ تھا۔ مگر یہ جواب کسی معترض کے دل کو
تسکین نہیں دے سکتا۔ اس جواب سے تو ظاہر یہ ہوتا ہے کہ قبل از نزول وحی آپ کو اپنے نبی ہونے کا علم تھا اور

ہ اس کو مان لیا جائے۔ تو پھر حضرت خدیجہ کا آپ کو ورقہ کے پاس لے کر جانا قطعاً بے معنی اور بے مقصد ہو
ہدہ جاتا ہے۔ اور اگر اس اشتباہ کو کہ "اس وقت تک آپ پر کا حقہٗ وضوح نہیں ہوا تھا" درست مان لیا
ئے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ورقہ ان کیفیات کے پس منظر سے بہ نسبت آپ کے زیادہ واقف تھا۔ اس معقول
و باوزن اعتراض کے جواب میں مولانا مودودی فرماتے ہیں۔

نزول وحی کی کیفیت کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے پہلے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچانک اس صورت احوال سے سابقہ پیش آیا تھا۔ آپ کو اس سے پہلے کبھی گمان بھی نہ گذرا تھا۔ کہ آپ نبی بنائے جانے والے ہیں۔ آپ خلوت میں بیٹھ کر مراقبہ اور عبادت ضرور فرماتے تھے۔ لیکن نبی بنائے جانے کا تصور آپ کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا۔ اس حالت میں جب یکایک غار حرا کی تنہائی میں فرشتہ آیا تو آپ پر فطرۃً اس سے پہلے عظیم اور غیر معمولی تجربے سے وہی گھبراہٹ طاری ہوئی۔ جو لامحالہ ایک بشر پر ہونی چاہیئے تھی۔ (ترجمان القرآن (جنوری وفروری ۱۹۶۱ء)

مذکورہ روایت پر مزید بحث کرنے کے بجائے مولانا شبلی نعمانی جیسے محقق مورخ کے اس فیصلہ کو جو انہوں
س روایت کے متعلق دیا ہے۔ حرفِ آخر کے طور پر پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر وغیرہ کی پیروی کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں۔ ہم کو پہلے یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ خود اصل روایت بر سند مرفوع متصل ہے، یا نہیں۔ یہ روایت امام زہری کے بلاغات میں سے ہے۔ یعنی سند کا سلسلہ زہری تک ختم ہو جاتا ہے۔ اور آگے نہیں بڑھتا۔ چنانچہ خود شارحین بخاری نے تصریح کر دی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کے لیے سند مقطوع کافی نہیں (سیرۃ النبی جلد اوّل صفحہ ۱۵۱، ص ۱۴۹ مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ)

ہمارا مقصد شق الصدر اور ابتدائے نزول وحی کی کیفیت پر بحث کرنا نہیں۔ بلکہ ان روایات کو بالتفصیل
لکھ کے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض افراد امت نے نبوت و رسالت سے عدم معرفت کی بنا پر ایسی ہی وضعی
ذ اور قرآن عزیز کی آیات اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ، سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ، تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ
عَبْدِہٖ کی تفسیر بالرائے نیز آپ کے قد و قامت، جسم و جسامت، شکل و صورت، اعضاء و جوارح سے آپ
ے البیا البشر کہہ دیا۔ لیکن یہ نہ سوچا کہ صرف ظاہری مماثلت اور مشابہت سے کوئی کسی کا مثیل نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ محض شکل وصورت میں مماثلت ہونا اور بات ہے۔ اور ذاتی صفات وکمالات میں یکساں ہونا اور بات ہے۔ عالم اور جاہل شکل وصورت میں مشابہ، مگر جو کمالات علم عالم میں ہیں۔ وہ جاہل میں کہاں ظاہراً مماثلت اور مشابہت ہوتے ہوئے بھی عالم جاہل ایک جیسے نہیں ہوسکتے۔ بالکل اسی طرح انبیاء بھی شکل وصورت میں ہماری مثل ہوتے ہوئے ہمارے ایسے بشر نہیں ہوسکتے۔

جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پاس بطور مہمان آئے تھے وہ اس قدر متمثل بہ بشر تھے کہ آپ نے اُن کو بشر سمجھ کر ہی ضیافت کے لئے بچھڑا ذبح کیا۔ پھر جب کھانا تیار کر کے مہمانوں کے سامنے رکھا، انہوں نے یہ کہکر کھانے سے معذوری ظاہر کی۔ انا رسل ربک ہم تو خُدا کے فرستادہ فرشتے ہیں۔ ہم اکل و شرب سے بَری ہیں۔ معلوم ہوا کہ شکل وصورت کے بدلنے سے نہ اصل خلقت بدلتی ہے۔ نہ سیرت تبدیل ہوتی ہے۔ نہ ذاتی صفات و کمالات میں فرق پڑتا ہے۔ اگر ملائکہ کے جامہ بشریت میں آنے سے اُن کی اصل خلقت میں کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اور نہ اُن کی سیرت بدلتی ہے۔ تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ آنحضرت ملائکہ سے بدرجہ اتم مخلوق نور ہیں" پیکر انسانی میں آنے کے بعد صرف صورت سے ہی نہیں۔ بلکہ سیرت میں بھی بدل جائیں۔ کہ معصومیت جو نوری مخلوق کا خاصہ ہے۔ وہ بھی باقی نہ رہے۔

مگر قرآن کریم کے ارشاد قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے پیش نظر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اللہ صلعم ہماری مثل بشر تھے۔ اور ضرور تھے۔ لیکن ایسے بشر جو منجانب اللہ نوع بشر کی ہدایت اور رہبری کے لئے منتخب کئے گئے تھے، عالم بشریت کی ہدایت و راہ نمائی کی تمام تر ذمہ داری آپ پر ہی تھی دین کی دعوت دینا، اس کے لئے پیش آنے والی تمام تکالیف کو سالہا سال تک برداشت کرنا، نہایت کٹھن اور بے حد مشکل کام ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اس اہم ترین وظیفہ کے لئے اپنے خاص بندوں کو منتخب کرتا اور مقرر فرماتا ہے۔ کیونکہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ فرائض رسالت کو انجام دینے کے لئے کس کو منتخب کرے۔

عوام کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کار نبوّت ورسالت کی انجام دہی کے لئے اچانک ہی کسی کو منصب نبوت پر سرفراز فرما دیتا ہے۔ پھر جب اس کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے۔ تو وہ خوف کھانے لگتا ہے۔ لیکن حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔ آیہ میثاق وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ اسے رسول وہ وقت

دلاؤ، جب خدا نے پیغمبروں سے عہد (اقرار) لیا۔ کہ ہم نے جو کتاب اور حکمت تم کو دی ہے۔ اس کے بعد تمہارے پاس کوئی رسول آئے۔ اور جو کتاب تمہارے پاس ہے۔ اس کی تصدیق کرے۔ تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا سے ثابت ہوا کہ تمام انبیاء روزِ میثاق سے ہی منصب نبوت پر فائز تھے۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ نبی شکم مادر میں ہو۔ یا حالت مہد میں، ایام طفولیت میں ہو یا عالم شباب میں بہر حال نبی ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیٰ انبیاء نے بحالت مہد اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ ط اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ فرما کر اپنے نبی اور حامل کتاب ہونے کا اعلان کیا۔

حضرت یحییٰ علیہ السّلام ابھی بچپن میں تھے۔ کہ ارشاد قدرت ہوا۔ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ط وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا۔ اے یحییٰ کتاب (توراۃ) کو مضبوطی کے ساتھ لینا۔ ہم نے تمہیں بچپن میں ہی نبوت عطا فرمائی سید البشر امام الانبیاء محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لسان صدق سے فرما رہے ہیں۔ کنت نبیا وادم بین الماء والطین۔ میں اس وقت بھی نبی تھا۔ جب کہ آدم مٹی اور پانی میں تھے۔

اَلَا بِاَبِیْ مَن کَانَ مَلِکًا وَسَیِّدًا
وَاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ وَاقِفٌ

(شیخ اکبر محی الدین عربی)

اسی لئے ولادت اور طفولیت سے نوجوانی تک اور جوانی سے وقت وصال تک ہر نبی کی زندگی، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہدایت اور خاص نگرانی میں بسر ہوتی ہے۔ حضرت نوح کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا۔ ہمارے سامنے ہماری ہدایت کے مطابق کشتی تیار کر۔ حضرت موسیٰ کے لئے فرماتا ہے۔ وَاصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِیْ۔ میں نے تجھے خاص اپنے لئے بنایا۔ حضور نبی کریم صلعم کے متعلق فرماتا ہے۔ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا۔ تم تو ہماری نگاہوں کے سامنے ہو، اور کبھی ان الفاظ میں تسلی دلاتا ہے۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ لوگوں کے شر سے اللہ تعالیٰ تمہاری خود حفاظت کرے گا۔

مندرجہ صدر آیات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ کہ انبیائے کرام کی زندگیاں اللہ تعالیٰ کی خاص نگرانی میں بسر ہوتی ہیں۔ اور اللہ ہی کی راہ نمائی میں یہ بزرگ ہستیاں پروان چڑھتی ہیں چنانچہ قبل از بعثت ہی انسانیت کی بلند ترین صفات سے متصف ہوتی ہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ببانگ دہل اعلان فرمایا۔ فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ، یقیناً اس سے پہلے میں نے تم میں ایک عمر گذاری

ہے۔ اگر تم نے اس میں کوئی نقص یا عیب دیکھا ہو تو بتاؤ حقیقت یہ ہے۔ کہ انبیاء، اوصیا چمنِ انسانیت کے وہ گل سر سبد ہیں جن کی فیض رسانی کا سلسلہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہوتا ہے۔

قرآن مقدس کے ان صریح اور واضح ارشادات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام منجانب اللہ معصوم اور محفوظ عن الخطا ہوتے ہیں۔ ان کی ذوات مقدسہ سے کسی گناہ کا ارتکاب ہونا، کسی خطا یا لغزش کا سرزد ہونا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ ہم نے اب تک اس موضوع پر جس قدر عقلی اور نقلی دلائل پیش کئے ہیں۔ یہ ایک منصف مزاج انسان کے لئے اس مسئلہ کی تمام جزئیات کے سمجھنے کو کافی ہیں۔ ویسے لاتسلم (میں نہ مانوں) کا علاج کسی کے بس کا روگ نہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ انبیاء علیہم السلام نوع بشر کے افراد کاملہ ہیں۔ جن کی بشریت سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر اس نوعی اشتراک کی بنا پر یہ کہنا کہ انبیاء بھی ہمارے ایسے بشر ہیں۔ قطعاً غلط ہے کیونکہ نوع کی یکسانیت کے باوجود فضلنا بعضهم علی بعض فی الدرجات افراد نوع کے مدارج اور مراتب میں فرق ہے۔ چنانچہ بلحاظ نوع ہم بھی بشر اور رسول بھی بشر۔ مگر ہماری اور اُن کی بشریت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم مطیع بشر وہ مطاع بشر۔ ہم غلام بشر وہ آقا بشر۔ ہم محض بشر وہ خیر البشر۔ ہم خاک و اکسیر، ہم پتھر وہ گوہر، ہم سنگ خارا وہ پارس، ہم ذرہ وہ آفتاب، ہم ناقص وہ کامل، ہم جاہل وہ عالم، ہم خاطی وہ معصوم، ہم ظلمت وہ نور، ہم ہوا و ہوس کی گلیوں میں ٹھوکریں کھانے والے بشر، وہ عرش اعظم پر پہنچ کر فخر عرش بننے والا بشر، لہذا جنسیت یا نوعیت میں شریک ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ صفات و کمالات میں بھی مساوی ہوں۔

سنگریزہ بھی پتھر اور جواہر بھی پتھر، جنسیت میں دونوں برابر، مگر قدر و قیمت میں فرق۔ اس لئے کہ سنگریزوں میں وہ خصوصیات نہیں جو جواہرات میں ہیں۔ لہذا جنسیت میں یکسانیت ہونا، اس امر کی دلیل نہیں، کہ جملہ صفات و کمالات میں بھی مساوی ہوں۔

ایک عام بشر کے چہرے اور انبیاء اور اوصیا کے چہروں کی مشابہت اور مماثلت سے نہ کسی کو انکار ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ مگر باوجود اس مشابہت اور مماثلت کے ہمارے اور انبیاء و اوصیاء کے چہروں میں رات اور دن کا فرق ہے۔ کہاں ہمارے چہرے اور کہاں وہ چہرے جو مرکز انوار الہیہ ہوں۔ جن پر نظر پڑتے ہی انسان بے ساختہ پکار اُٹھے، کرم اللہ وجہہ، یہ خصوصیت صرف اسی مبارک چہرہ میں ہو سکتی ہے۔

جو روزِ ازل سے ہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور برگزیدہ ہو۔ ازمنہ سابقہ سے دورِ حاضر تک تاریخِ عالم میں تلاش کے باوجود سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے ایسا کوئی حسین و جمیل چہرہ نظر نہیں آتا جس پر نگاہ پڑتے ہی انسان مبہوت ہو جائے، ہوش و حواس کھو بیٹھے، کتب تفاسیر شاہد ہیں۔ قرآن مقدس گواہ ہے کہ جوں ہی زنانِ مصر کی نگاہ آپ کے چہرۂ انور پر پڑی، تن بدن کا ہوش نہ رہا، عالمِ بے خودی میں بجائے پھل کاٹنے کے انگلیاں کاٹ لیں۔ اور زبان سے بے ساختہ پکار اٹھیں۔ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۔ ماشاء اللہ۔ یہ ہرگز آدمی نہیں یہ تو بڑا بزرگ فرشتہ ہے۔

بخاری شریف میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کہ رات کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے حجرہ میں تشریف لاتے، تو میں دن کی کھوئی ہوئی سوئی رات کو آپ کے چہرۂ انور کے نور کی روشنی میں تلاش کر لیتی تھی۔

نوعِ بشر میں کوئی ایسا بشر نہ کسی نے دیکھا نہ سنا جس کے چہرے سے شعاعِ نور یوں ساطع ہو۔ کہ تاریک حجرے روشن ہو جائیں۔ سوائے اس کے جس کو اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ کا شرف حاصل ہے۔

جس طرح عام انسانی چہرے خد و خال میں مشابہ ہوتے ہوئے انبیاء کے رُخ ہائے انور جیسے نہیں ہو سکتے۔ یوں عام انسان قد و قامت کی یکسانیت کے باوجود طاقت میں انبیاء کے برابر نہیں ہو سکتے۔ کتب تفاسیر میں ایک نبی کی طاقت کو چالیس آدمیوں کے برابر بتایا گیا ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی خواہش پر اُن کی بکریوں کو پانی پلانے کے لئے مدین کے کنویں کا وہ ڈول جس کو چالیس آدمی بمشکل کھینچتے تھے۔ اسی ڈول کو اکیلے ہی نہایت آسانی سے کھینچ لیا۔

لشکرِ اسلام نمازِ عصر کے بعد خیبر کی طرف بڑھا نمازِ مغرب کے بعد آبادی کے قریب پہنچ کر نہایت خاموشی سے خیمہ زن ہوا۔ یہودی مدینہ پر حملہ آور ہونے اور مدینہ کو تاخت و تاراج کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ انہیں کیا خبر کہ آفتابِ رسالت سر پر آ گیا ہے۔ حسبِ معمول دروازے کھُلے، لوگ ہاتھوں میں بیلچے اور کدالیں لئے کھیتی باڑی کے کام کے واسطے باہر نکلے لیکن شمسِ نبوت کی روشنی کو دیکھ کر چمگادڑوں کی طرح تیزی سے بھاگ کر قلعوں میں گھس گئے۔ دروازے بند کر لئے اور فوجِ اسلام پر تیر اور پتھر برسانے لگے۔ آنحضرت صلعم نے لشکرِ اسلام کو اس طرح پھیلا کر محاصرہ کیا۔ کہ تمام قلعے ایک دوسرے سے کٹ گئے سب سے پہلے ناعم کا قلعہ فتح ہوا۔ پھر یکے بعد دیگرے دوسرے قلعے بھی فتح ہو گئے۔ لیکن خیبر کا مشہور اور

نہایت مضبوط قلعہ قموص کسی طرح فتح نہیں ہو رہا تھا۔ تمام اکابر صحابہ کے حملے ناکام ہو چکے تھے۔

بخاری میں سہل بن سعد سے روایت ہے۔ کہ پھر آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ لاعطین الرایۃ غداً رجلاً کراراً غیر فرار یحبہ اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ یفتح اللہ علےٰ یدیہ۔ کل میں علم ایسے شخص کو دوں گا۔ جو نہ بھاگنے والا ہے۔ نہ بغیر فتح کے واپس آنے والا ہے۔ خدا اور خدا کا رسُول اس کو چاہتے ہیں۔ اور وہ خُدا و خُدا کے رسول کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسی کے ہاتھ پر فتح دے گا۔

صبح کو آپ نے حضرت علی کو بلایا۔ آپ آشوب چشم کی وجہ سے اس وقت تک جنگ میں شامل نہ ہو سکے تھے۔ علی علیہ السّلام حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے دعا فرما کر آپ کے ہاتھ میں دیا۔ اور فرمایا۔ ادعھم الی الاسلام واخبرھم بما یجب علیھم من حق اللہ۔ ان کو اسلام کی طرف دعوت دو۔ اور بتا دو ان کو وہ چیز جو ان پر حق اللہ سے واجب ہے۔

لیکن یہود جو عداوت اور فسادات میں حد سے گذر چکے تھے۔ انہوں نے نہ حق کی طرف توجہ دی۔ اور نہ صلح و آشتی پر مائل ہوئے۔ مرحب جو ایک مشہور و معروف پہلوان تھا۔ بڑے طمطراق سے رجز پڑھتا ہوا قلعہ سے نکلا۔ مرحب اپنی طاقت اور بہادری کے نشہ میں مست تھا۔ اس کو کیا معلوم کہ آج مقابلہ اس شیر سے ہے۔ جس نے عمر بن عبدُود جیسے عرب کے مانے ہوئے پہلوان کو خاک و خون میں سلایا ہے۔ ذوالفقار کی بجلی چمکی۔ ضربت حیدری کے کڑاکے سے دشت و جبل گونج اٹھے، فوج کے دل دہل گئے اور چشم زدن میں مرحب خاک و خون میں تڑپنے لگا۔ فوج نے مرحب کو تڑپتے دیکھا تو دروازہ بند کر لیا۔ مگر یداللہی کی طاقت کے سامنے اس دروازہ کی کیا حیثیت تھی۔ علی علیہ السّلام نے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ سے دروازے کو اکھاڑ کر دور پھینک دیا۔

طبری میں ہے کہ اتفاق سے حضرت علیؑ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی۔ آپ نے قلعہ کا دروازہ جو سر پہ پایا۔ پتھر کا تھا۔ اکھاڑ کر سپر کا کام لیا۔ اس واقعہ کے بعد ابو رافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اٹھانا چاہا۔ تو وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔

بعض روایات میں ہے۔ کہ اس کو چالیس آدمی کھولتے اور بند کرتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

اس کے متعلق جناب امیر علیہ السلام کا قول ہے۔ ماقلعت باب خیبر بقوۃ جسمانیہ بل بقوۃ ربانیہ۔ میں نے باب خیبر کو اپنی طاقت سے نہیں بلکہ قوت ربانیہ سے اکھاڑا تھا۔ صدیق اکبر علی مرتضیٰ

کے قول سے صاف ظاہر ہے کہ انبیاء و اوصیاء کی طاقت کا انحصار اُن کی بشریت پر نہیں، جن کے چہرے مطلع انوار الٰہیہ ہوں اور جسمانی قوت الٰہیہ ہو وہ ہمارے ایسے بشر نہیں ہو سکتے۔ چاہے وہ قد و قامت، شکل و صورت، اعضاء و جوارح سے بالکل ہمارے مشابہ ہی کیوں نہ ہوں۔

خلاق عالم نے انسان کو ہر شے کے ادراک کے لئے دو قوتیں ودیعت فرمائیں۔ ایک عقل اور دوسری حسیات یعنی حواس خمسہ، انہی دو قوتوں سے انسان ہر شے کا علم حاصل کرتا ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ حسیات یا حواس خمسہ یعنی باصرہ، سامعہ، لامسہ، شامہ اور ذائقہ کی قوتوں سے کسی ایک طاقت کے کم یا بالکل نہ ہونے سے انسان اشیاء کے علم کی کماحقہٗ تحصیل حقائق نہیں کر سکتا۔

قوت باصرہ سے معذور ایک نابینا سیاہ و سفید، سُرخ و سبز کی حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے۔ قوت سامعہ سے عاری ایک بہرہ آواز کی شیرینی اور لوچ کو سمجھ نہیں سکتا۔ قوت شامہ کے بغیر انسان خوشبوؤں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ خوشبو اور بدبو میں تمیز نہیں کر سکتا۔ بعینہٖ یہی حال دوسرے حواس کا بھی ہے۔ بہرحال جن اشیاء کی حقیقت کا علم انسان کو جس حاسہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر انسان اس حاسہ سے کلی طور پر عاری ہو، تو دُنیا بھر کے فلاسفر اور سائنس دان اُسے اُس شے کی حقیقت سے آگاہ نہیں کر سکتے۔

انبیاء علیہم السلام اگر ہمارے ایسے بشر ہوں۔ تو ان کا علم و عقل بھی ہمارے جیسا اور مدرکات ہمارے جیسے ہوں گے لیکن ایسا نہیں۔ کتب تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہل اسلام جنہیں اپنے باطل سے اپنے ایسا بشر سمجھتے ہیں۔ ان کے علم و عقل اور اُن کے حسیات میں اور ہمارے علم و عقل اور ہمارے حسیات میں زمین و آسمان کا بُعد ہے۔

انبیاء علیہم السلام علم و عقل کی ان بلندیوں پر فائز ہوتے ہیں۔ جہاں ایک عام انسان کے تصور کا پہنچنا ناممکن ہے۔ لہٰذا جس طرح انبیاء کرام کے عقل و فہم کی منزلت بلند ہے۔ اسی طرح عام انسانی اور انبیاء کے حواس خمسہ میں بھی کوئی مماثلت نہیں۔

قوت باصرہ کو دیکھیئے، کہاں ہماری کوتاہ نظریں جو ایک حد سے آگے نہ جا سکیں، جن کو روکنے کے لئے معمولی حجاب کافی ہو۔ اور کہاں انبیاء کی حقیقت شناس نگاہیں، جن کے لئے نہ کسی حد کا تعین نہ حجاب مانع وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

گھر میں بیٹھے ہوئے تمام ارض و افلاک کی سیر کر لی۔ آسمانوں اور زمین کے ذرّہ ذرّہ کو دیکھ لیا۔

قرآن عزیز کے اس واضح ارشاد کے بعد اب ہم شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی اس روایت کے لئے کیا کہیں کہ جس کو مولانا خلیل احمد انبیٹھی نے اپنی تصنیف براہین قاطعہ کے صفحہ ۵۱ پر لکھا ہے۔ کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

"مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں"

شیخ محدّث دہلوی کی مذکورہ بالا روایت کی تائید اور تصدیق کے لئے ایک اور روایت مولوی منظور نعمانی نے یوں بیان کی ہے۔

کہ اگر حضور کو دیوار کے پیچھے کی سب باتیں معلوم ہو جایا کرتی۔ تو حضرت بلال سے دروازہ پر کھڑی ہوئی عورتوں کا نام لے کر دریافت کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

(فیصلہ کن مناظرہ صہ ۱۳۶)

ان روایات کے بعد اب ہم وہ روایات پیش کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے بعض بزرگان محترم کے لئے بیان کی ہیں۔ تاکہ ان کے پس دیوار نہ دیکھ سکنے والے عقیدہ کی قلعی کھُل جائے۔ حقیقت واضح ہو جائے اور کسی مسلمان کو ہماری اس گذارش کی تائید میں کوئی امر مانع نہ رہے۔ حقیقت میں ان حضرات نے یہ عقیدہ (کہ حضور صلعم دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں) صرف انبیاء علیہم السلام کی حرمتوں کو زائل کرنے کے لئے بنایا ہے۔ کیونکہ اگر یہ اس امر میں راسخ العقیدہ ہوتے۔ اپنے بزرگان سلف کے لئے بھی وہی کچھ کہتے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کہتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہیں۔

ارواح ثلثہ میں ہے۔ کہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی جب حج کے لئے تیار ہوئے، تو عبدالله خان راجپوت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے دعا کی درخواست کی۔ خان صاحب نے جواب میں فرمایا

بھائی میں تمہارے لئے کیا دعا کروں۔ میں نے تو اپنی آنکھوں سے تمہیں دو جہان کے بادشاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بخاری شریف پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (ارواح ثلثہ صہ ۲۵۴)

پس دیوار کے اس علم و انکشاف کے متعلق مولانا نانوتوی کے ایک خادم کی قوت انکشاف کا واقعہ بیان کرتے ہوئے مولوی مناظر احسن گیلانی سوانح قاسمی میں لکھتے ہیں۔

مولانا محمد طیب صاحب نے اطلاع دی ہے کہ لیسین نام کے دو صاحبوں کا خصوصی تعلق، سیدنا الامام الکبیر (مولانا محمد قاسم نانوتوی) سے تھا۔ جن میں سے ایک تو یہی دیوان جی دیوبند کے رہنے والے تھے۔ اور بقول مولانا طیب صاحب دیوبند میں حضرت والا کی خانگی اور ذاتی دور کا تعلق انہیں سے تھا۔

لکھا ہے کہ صاحب نسبت بزرگ تھے۔ اپنے زنانہ مکان کے حجرے میں ذکر کرتے۔ مولانا حبیب الرحمان صاحب سابق مہتمم دار العلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں کشفی حالت دیوان جی کی اتنی بڑھی ہوئی تھی۔ کہ باہر سڑک پر آنے جانے والے نظر آتے رہتے در و دیوار کا حجاب ان کے درمیان ذکر کے وقت باقی نہیں رہتا تھا۔ (حاشیہ سوانح قاسمی جلد نمبر ۲ صفحہ ۴۳)

ان چند معترضہ جملوں کو سپرد قلم کرنے کا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ علمائے دیوبند جو دوسرے جملہ مکاتیب فکر کے مسلمانوں کے ان معتقدات کو برملا شرک، بدعت اور گمراہی قرار دیتے ہیں۔ جن کا تعلق انبیاء علیہم السلام کی بعض صفات مثلاً یہ امر خدا اخبار ہائے غیب سے آگاہ ہونے اور روحانی تصرف رکھنے کو تسلیم کرنے سے ہے۔ اس کے برعکس یہ حضرات انہیں احوال و عقائد کو طریقت اور تصوف کا نام دے کر اپنے بزرگوں کے لئے کس طرح جائز سمجھتے ہیں۔

بہرکیف عالم امکان کی حد قاب قوسین ہے۔ جہاں کسی بشر کی تو مجال کیا۔ خداوند عالم کی نوری مخلوق (ملائکہ) کی رسائی بھی ناممکن ہے۔ سوائے ممکن الوجود کے اس کامل و اکمل فرد کے جو پلک جھپکنے میں سدرۃ المنتہیٰ۔ سے گذر کر عالم امکان کی آخری حد تک پہنچا۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ صرف دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ سے لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۔ انوار جلالی اور جمالی کا مشاہدہ کیا۔ لیکن یوں کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۔ نہ آنکھ جھپکی اور نہ آنکھوں کے تلے اندھیرا آیا۔

حیف ہے۔ اس کے لئے جو حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور عالم بشریت کے ہر بشر کی قوت با مرکے اس صریح بُعد کے پھر بھی کہے کہ رسول ہمارے ایسے بشر تھے۔

انبیاء علیہم السلام کو صرف ایک ہی حس میں عام انسانوں پر برتری اور فوقیت حاصل نہیں۔ بلکہ اس کے علاوہ دوسری حیثیات میں بھی کوئی بشر انبیاء کرام کے برابر نہیں ہو سکتا۔

یہ انسانی فطرت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے۔ بل کذبو بما لم یحیطوا
انسان ہر اس شے کی تکذیب کرتا ہے۔ جس کی حقیقت تک اس کے قلیل علم کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ دلہ
تھمرتا دیلہ۔ حالانکہ ابھی ذہن انسانی میں اس کے معنی بھی نہیں آئے۔ چنانچہ قرآن مقدس میں
سلیمان کے متعلق ہے۔ کہ وہ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ہر صبح اور ہر شام آتنا سفر کرتا تھا۔
کوئی مہینہ بھر میں کرے ہوائی جہاز کی ایجاد سے قبل اس کے معنی ذہن انسانی میں نہ تھے۔ لہذا قرآن
کی اس آیہ مجیدہ کی تکذیب کی جاتی تھی۔ آج جب عقل انسانی نے اس کی حقیقت کو پا لیا ہے۔ تو اب انکار
یونہی انسان جب خداوند عالم کی ایک ادنی مخلوق (چیونٹی) کی آواز تک اپنی قوت سامعہ کی کمزوری کی
سے رسائی حاصل نہ کر سکا۔ تو چیونٹی کے آواز سے ہی انکار کر دیا۔ یہ ہماری قوت سامعہ کی کمزوری
ہم چیونٹی کا آواز نہیں سُن سکتے۔ مگر نبی کی قوت سامعہ میں اتنی طاقت ہے۔ کہ نبی خدا کی ہر مخلوق کی آواز
سُنتا ہے۔ صرف سُنتا ہی نہیں۔ بلکہ اس کے مفہوم کو بھی سمجھتا ہے۔ قرآن حکیم حضرت سلیمان علیہ السلام کے
میں یوں بیان فرماتا ہے۔ کہ حضرت سلیمان علیٰ نبینا اپنے بے شمار لشکر کے ساتھ وادی النمل (چیونٹیوں
میدان) میں پہنچے۔ آپ کے لشکر کو آتا دیکھ کر ایک چیونٹی نے قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا
لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۔ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا ۔ اے چیونٹیوں!
بلوں میں گھس جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سُلیمانؑ کا لشکر تمہیں بے خبری میں کچل ڈالے۔ سُلیمانؑ اس کی یہ بات
کر ہنس پڑے۔

لشکر سلیمان میں انسان بھی تھے۔ جن بھی تھے۔ اور حیوان بھی، لیکن کسی نوع کی قوت سامعہ
تیز نہ تھی کہ چیونٹی کا آواز سُن سکے۔ مفہوم کو سمجھنا تو در کنار۔ حضرت سلیمانؑ کا مُسکرانا اس امر کی
ہے۔ کہ حضرت سلیمانؑ نے نہ صرف چیونٹی کے آواز کو سُنا بلکہ اس کے مطلب کو بھی سمجھ لیا۔ کیا دنیا میں
ایسا بشر ہے۔ جس کی قوت سامعہ میں اتنی طاقت ہو، کہ وہ خداوند عالم کی اس ادنی مخلوق کی آواز
سکے۔ یا کسی بشر کا علم اس قدر وسیع ہے۔ کہ وہ چیونٹی کے کلام کو سمجھ سکے؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں
تو پھر یہ کہنا بھی غلط ہو گا۔ کہ۔

"انبیا ہمارے ایسے بشر تھے"

ہر ذی روح کی آواز کو سُن کر اس کے مفہوم کو سمجھنے پر قادر ہونا صرف حضرت سلیمان علیہ

پر ہی موقوف نہیں بلکہ تاریخ بتاتی ہے۔ کہ سید الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد وصی حضرت علی علیہ السلام میں بھی یہ طاقت بدرجہ اتم موجود تھی۔

ایک مرتبہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السّلام مسجد کوفہ میں وعظ فرما رہے تھے۔ اچانک اژدہا اژدہا کا شور ہوا۔ آپ نے دیکھا تو ایک بہت بڑا اژدھا دروازہ مسجد سے اندر آرہا تھا۔ فرمایا۔ تم دو اس سے تعرض نہ کرو، یہ تم سے کچھ نہیں چاہتا۔ آپ کے ارشاد پر لوگوں نے راستہ دے دیا۔ اژدہا سیدھا منبر کے پاس پہنچا اور دم کے بل کھڑا ہو کر اپنے منہ کو جناب امیرؑ کے کان کے پاس لے گیا۔ پھر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ جس سے سیٹی سے ملتی جلتی آواز نکلی، جب وہ بات ختم کر چکا تو جناب امیرؑ نے بھی بالکل ویسے ہی آواز میں جواب دیا۔ آپ کا جواب سُن کر اژدھا واپس چلا گیا۔ اس دن سے یہ دروازہ اژدھا والا دروازہ مشہور ہو گیا۔ اور آج تک اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔

جناب امیر علیہ السّلام کی اس قوت سامعہ پر صرف تاریخ ہی گواہ نہیں، بلکہ قرآن بھی شاہد ہے۔ چنانچہ سورہ الحاقہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ تَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۔ یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں۔

سعید بن منصور بن جریر بن منذر بن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے روایت کی ہے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت رسولِ خدا صلعم نے فرمایا۔ میں نے خدا سے عرض کی تھی کہ ایسے کان علیؑ کے بنا دے۔ اسی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام فرماتے تھے، جو بات میں نے حضرت رسول خدا صلعم سے سُنی وہ کبھی نہ بھولا۔

ابونعیم نے حلیۃ الاولیا میں حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علیؑ، خُدا نے مجھے حکم دیا کہ میں تم کو قریب کروں اور تعلیم کروں، تاکہ تم یاد رکھو، اسی پر یہ آیت نازل ہوئی، اور آپ نے فرمایا اے علیؑ، تو میرے علم کو یاد رکھنے والا کان ہے۔ (حاشیہ قرآن مجید مترجم مولانا حافظ فرمان علی بحوالہ تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۶۰)

جس طرح نوع البشر کے کسی فرد کی قوت باصرہ اور قوت سامعہ انبیاء علیہ السلام کے برابر نہیں یوں ہی کسی عام انسان کی قوت شامہ بھی مثل قوت شامہ انبیاء نہیں ہو سکتی۔

قرآن شاہد ہے۔ کہ جب تیسری مرتبہ فرزندان یعقوب مصر میں پہنچ کر عزیز مصر (حضرت یوسفؑ) سے ملے۔ تو حضرت یوسف نے کہا۔ تم نے اپنے اس بھائی کے ساتھ کہ جس کا نام یوسف تھا۔ کیا سلوک کیا تھا۔ یوسف کا نام سُن کر سب بھائی چونک اُٹھے، اب جو صورت اور آواز پر غور کیا تو بے اختیار زبان

سے نکلا۔ ءَ اِنَّکَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ کیا فی الحقیقت تم ہی یوسف ہو۔ کہا۔ اَنَا یُوْسُفُ۔ ہاں میں ہی یوسف ہوں۔ یہ سُن کر سب بھائیوں کی گردنیں شرم سے جھک گئیں۔ بھائیوں کی یہ حالت دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ط یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ہ اب تم پر کوئی الزام نہیں جو ہونا تھا وہ ہو گیا غفور الرحیم خدا تمہیں معاف کرے۔ پھر فرمایا۔ بھائیو یہ میرا کرتا لے جاؤ، اس کو بابا کے چہرے پر ڈال دینا، ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔

ادھر کارروان بشارت مصر سے چلا۔ ادھر کنعان میں حضرت یعقوب نے فرمایا۔ مِلا اَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ۔ مجھے یوسف کی مہک آ رہی ہے۔

جس طرح عام انسانوں اور انبیاء کی باصرہ۔ سامعہ اور شامہ کی قوتوں میں دن رات کا فرق ہے۔ بعینہٖ قوت لامسہ میں بھی عام انسان کسی بنی کے ہمسر نہیں ہو سکتے۔ کسی انسان کی کیا مجال جو اپنی قوت لامسہ سے کسی بیمار کو شفا دے سکے، یا کسی نابینا کو بینا کر سکے۔ لیکن یہ بنی کی قوت لامسہ کا کرشمہ ہے کہ بیمار شفا پا جاتے ہیں، نابینا بینا اور مردے زندہ ہو جاتے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ صرف مس کرنے سے منجمد ہو جانے والا خون پھر سے دوڑنے لگے۔ بے حس اعضا میں دورہ حس آ جائے اور ساکن ہو جانے والے دل میں حرکت پیدا ہو جائے۔ یہ ایسا دشوار اور مشکل امر ہے کہ حکماء کی قوتیں ختم ہو گئیں۔ اطبا کی عقلیں تھک گئیں۔ مگر آج تک کوئی چپ ہو جانے والی زبان کو قوت گویائی نہ دے سکا۔ نہ کسی جسم کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر سکا۔

اکثر انسان بیماریوں اور تکلیفوں میں لوگوں پر جھاڑ پھونک اور دم کرتے ہیں۔ مگر ایک عام انسان کے دم میں وہ دم کہاں اس کی جھاڑ پھونک میں وہ اثر کہاں، جو ایک بنی کے دم یا پھونک میں ہے۔ بنی اگر مٹی کے بنے ہوئے پرندے پر پھونک مار دے تو وہ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ ج پرندہ بن کر خدا کے حکم سے اُڑنے لگے۔

اس میں شک نہیں کہ انبیا علیہم السلام ہماری طرح جسد عنصری رکھتے ہیں۔ اور ہماری طرح تمام لوازمات بشریہ کے حامل ہوتے ہیں۔ جسد انسانی جو اربعہ عناصر (آگ ہوا مٹی اور پانی) کا مرکب ہے۔ بعض اوقات یہی عناصر اس پر غالب آ جاتے ہیں۔ آگ جلا دیتی ہے۔ پانی بہا لے جاتا ہے ہوا طوفان بن کر فنا کر دیتی ہے۔ مٹی کھا جاتی ہے۔ مگر انبیاء کے اجساد مقدسہ پر کوئی عنصر غلبہ

حاصل نہیں کر سکتا۔ کسی عنصر کی کیا مجال جو ابنیاء کے وجود مطاہرہ کو ضرر پہنچا سکے۔ چنانچہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جلا نہ سکی، ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کو دوش پر اُٹھا کر اڑاتی رہی۔ لیکن کسی قسم کا ضرر نہ پہنچا سکی۔ دریا حضرت موسیٰؑ کو غرق نہ کر سکی۔ حضرت عزیزؑ سو سال تک غار میں بحالت مردہ پڑے رہے۔ مٹی آپ کے جسم اقدس کو کھا نہ سکی۔

انبیاء کی حیاتی اور جسمانی قوتوں کی طرح عام انسانی قویٰ اور انبیاء کے قویٰ میں بے حد فرق ہے۔ اس سے تو کسی صورت میں انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ انبیاء علیہم السلام کے قویٰ عام انسانی قویٰ کے مشابہ ہوتے ہیں، مگر جو صفات اور..... کمالات انبیاء کے قویٰ میں ہیں۔ ایک عام انسان کے قویٰ میں اُن کا شائبہ تک نہیں۔

نرم زمین پر تو نوع بشر کے فرد کے قدم کا نقش بن سکتا ہے۔ مگر پتھر پر کسی عام انسان کے قدم کا نقش بننا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے اور اگر اتفاقیہ کسی برگزیدہ خدا کے قدم کا نشان پتھر سینہ پر اُبھرا، اور وہی پتھر خانہ کعبہ کی زینت بن کر قیامت تک مخلوق خدا کا بوسہ گاہ بن گیا۔ ہر مسلمان پر اُس کی تعظیم واجب ہو گئی۔

کسی انسان کے ہاتھ میں یہ طاقت نہیں، کہ لوہے کو گرم کرنے کے بغیر موم کی طرح نرم کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت صرف داؤد علیہ السلام کے ہاتھ کو عطا کی تھی۔ کہ لوہے کو ہاتھ میں لیتے تو وہ اَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ مثل موم کے نرم ہو جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا۔ وَمَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی۔ اے موسیٰ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا، ھِیَ عَصَایَ اَتَوَکَّؤُا عَلَیْھَا وَاَھُشُّ بِھَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْھَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی۔ میرے پالنے والے۔ یہ میرا عصا ہے۔ جس پر تکیہ کرتا ہوں۔ (سہارا لیتا ہوں) اور اسی سے بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں۔ اور میری کچھ اور ضرورتیں بھی اسی سے پوری ہوتی ہیں۔

حضرت موسیٰ کی زبانی معلوم ہوا کہ عصائے موسیٰ حقیقت میں ایک خشک لکڑی تھی۔ حضرت موسیٰ کو جب کبھی سایہ کی ضرورت ہوتی۔ اس کو زمین گاڑ دیتے، یہ ہرا بھرا سایہ دار درخت بن جاتا۔ اور ہر قسم کا پھل لاتا۔ موسیٰ اس کے سایہ میں آرام فرماتے۔ بھوک کی حالت میں اس کے پھل کھاتے، پتھر پر مارتے

تو پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹتے، دریا کے پانی پر مارا تو دریا پھٹ گیا۔ دریا میں ایک چھوڑ بارہ را
پیدا ہو گئے۔ زمین پر ڈالا۔ تو چشم زدن میں یہ سوکھی ہوئی لکڑی ایک خوفناک اژدہا بن گئی۔ لیکن اتنی
سرعت سے۔ کہ کوئی آنکھ دیکھ نہ سکی۔ کوئی عقل سمجھ نہ سکی۔ کہ کب اور کیسے یہ خشک، لکڑی گوشت
پوست میں بدل کر اژدہا بنی اور کب اس میں روح داخل ہوئی، یہ سوکھی لکڑی صرف شکل وصورت
سے ہی نہیں، بلکہ سیرت سے بھی بدل گئی، یہ سیرت کے بدل جانے کا اثر تھا۔ کہ پلک جھپکنے میں جادو
بنے ہوئے سانپوں کو ہڑپ کر گیا۔ جونہی موسیٰ نے اٹھانے کے لئے دم پر ہاتھ رکھا، سنعیدھا سیرتہا
الاولیٰ۔ پھر اپنی پہلی سیرت پر لوٹ آیا۔

حقیقت میں یہ اس لکڑی کا کمال نہ تھا۔ بلکہ دست نبوّت کی طاقت تھی۔ نبی کے ہاتھ کا کما
تھا حضرت موسیٰ کا ہاتھ بے شک بڑا کمال ہاتھ تھا۔ مگر اس سے بڑھ کر مجموعہ کمالات وہ ہاتھ ہے
جس پر بے حس سنگریزے خدا کی تسبیح کریں۔ مردہ جانور زندہ ہو کر توحید کا کلمہ پڑھیں۔ جس کے ا
پر چاند شق ہو جائے۔ ڈوبا ہوا سورج پلٹ کر مقام عصر پر آجائے۔

سورج نظام شمسی کا مرکز اور محور ہے۔ اس کا پلٹانا کوئی معمولی بات یا آسان امر نہیں۔ ن
بشریّت سے کوئی عام بشر اس کے پلٹنے پر قادر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ علامہ حافظ کفایت حسین
اعلی اللہ مقامہٗ نے اپنی تقریر میں نظام شمسی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ کہ اگر اس سے کسی ایک سیا
کو ہی اپنے مقام سے ہٹا لیا جائے، تو اس نظام میں فساد آجائے گا۔ سورج جو اس نظام کا مرکز۔
ٹھیک وقت پر اور ایک قاعدہ کے تحت مشرق سے طلوع کرتا اور مغرب میں غروب ہوتا ہے اگر
غروب ہونے سے روک دیا جائے، یا غروب ہونے کے بعد پلٹا لیا جائے۔ تو اس نظام کا درہم برہم
لازمی ہے۔ لہٰذا آفتاب کا صرف پلٹ آنا کمال نہیں، بلکہ کمال یہ ہے۔ کہ مرکز کو اپنے مقام سے ہٹا
اور نظام میں کوئی تبدیلی نہ ہونے دی۔ ایسے کمالات کا مظہر وہی ہاتھ ہو سکتا ہے۔ جو ہاتھ کہ بغیر
ایزدی یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ اللہ کا ہاتھ ہو، جس کے فعل کو اللہ تعالیٰ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ
وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کا ارشاد فرما کر اپنا فعل ہے۔

ابتدائے آفرینش سے آج تک نوع بشر میں کوئی ایسا فرد نہیں، جس میں نہ کوئی جسمانی عیب
اور نہ کوئی روحانی نقص بے شک بہت سے ایسے ملیں گے جو شکل وصورت میں اچھے ہوں گے۔ لیکن ا

سے کورے ہوں گے۔ اور اگر کسی کے اخلاق اچھے ہوئے۔ تو وہ روحانیت سے عاری ہو گا۔ غرضیکہ ایسے عیب اور نقص کم ہوں یا زیادہ، مگر نوع انسانی کے عام انسانوں میں ہوں گے ضرور۔ ایسے انسان جو ان تمام عیوب و نقائص سے مبّرا ہو۔ یعنی جس میں جسمانی، اخلاقی یا روحانی کوئی عیب نہ ہو۔ جو مہد سے لحد تک کبھی کسی گناہ کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ جو روحانیت کے بلند و بالا مقام پر فائز ہو۔ جو روح نبوتی سے مورد الطاف الٰہیہ ہو۔ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ خدا کی منشا ہی جس کی منشا رہو۔ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى جس کا کلام خُدا کا کلام ہو۔ وہ شکل و صورت اعضاء و جوارح میں ہمارے ایسا ہی کیوں نہ ہو۔ ہم جیسا بشر نہیں ہو سکتا۔

بہرحال ایسا عظیم المرتبت انسان بھی جو سید المرسلین اور امام الانبیاء رہو۔ جو امُت کے لئے بمنزلہ باپ ہو۔ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ جس کی ازواج امُت کی مائیں۔ علمائے دیوبند کے نزدیک تعظیمی لحاظ سے بڑے بھائی کے موافق ہے۔ چنانچہ حضرت شہید دہلوی نے اپنے اس عقیدہ کے متعلق تقویتہ الایمان کے صفحہ نمبر ۴۳ پر لکھا ہے۔

> سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ جو بڑا بزرگ ہو۔ وہ بڑا بھائی ہے[1] سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔

اس کے برعکس باقی تمام مکاتب فکر کے مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ تمام انبیاء علیہم السلام بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم ان کے مرتبہ نبوّت و رسالت کے مطابق کی جائے۔

> بڑے بھائی کی طرح ان کی تعظیم کرنا۔ ان کی شان کو گھٹانا۔ ان کے حق میں بدترین قسم کی توہین و تنقیص کا مرتکب ہونا ہے۔ (الحق المبین ص۴۳)

اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ کہ بعض مسلمان جذبہ عشق و محبت یا پھر اپنی لاشعوری کی وجہ سے انبیاء، اوصیاء اور اولیاء کے شان و فضیلت میں افراط کی اس حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں توحید نبوّت اور رسالت میں فرق کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ جس کو سوائے غلو کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دوسری جانب ایسے مواحدین ہیں جو اپنے توحید پرستی کے جذبہ میں

---

[1] یہ اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے۔

خداوند عالم کی ان برگزیدہ ہستیوں کے مقام و مرتبہ کو گھٹانے اور ان کی عزت و فضیلت کو کم کرنے میں تفریط کی حد سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔ پھر اپنے اس عقیدہ پر اس قدر نازاں ہیں کہ دوسرے تمام مکاتب فکر کے مسلمانوں جو اس عقیدہ میں ان کے ہمنوا نہیں۔ انہیں غالی، بدعتی، پیر پرست، تعزیہ پرست، قبروں کے پجاری اور نہ معلوم کہ اور کیا کیا کہتے ہیں۔

اگر کسی دوسرے مسلمان کی کسی تحریر میں انہیں کوئی چیز نظر آجائے کہ جس سے توہین رسالت کا کوئی پہلو نکل سکتا ہو۔ تو ان کی باریک بین نگاہیں اس کو فوراً بھانپ لیتی ہیں۔ پھر جذبہ حب رسول میں سرشار ہو کر ان کے قلم بے ساختہ حرکت میں آجاتے ہیں۔ اور "نا" فانا" میں کتابیں اور رسالے لکھ ڈالتے ہیں۔ چنانچہ مولوی احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور کا ایک رسالہ (حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب) ہمارے سامنے ہے جس میں مولانا مودودی صاحب کے کسی مقالہ کا ایک اقتباس نقل کر کے مولانا موصوف کو توہین رسول کا مرتکب قرار دیا۔ اور خدا و رسول کا مجرم گردانا ہے۔ مولانا مودودی نے لکھا ہے۔ کہ:۔

> حضور کو اپنے زمانہ میں یہ اندیشہ تھا۔ کہ شاید دجال اپنے زمانہ میں ظاہر ہو جائے۔ یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو۔ لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو (۱۳۵۰) سال کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا۔ کہ حضور کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا۔

کفافی رسالہ حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب بحوالہ ترجمان القرآن۔

کتنی مزے کی بات ہے کہ ان حضرات کو دوسری آنکھ کا تنکا تو نظر آجاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا۔ مودودی صاحب کی تحریر میں تو انہیں توہین رسول نظر آگئی۔ اور یہ (بزعم خود) حق پرست علماء ان سے ناراض ہو گئے۔ لیکن اپنے یہاں کے علماء کی وہ تحریریں دکھائی نہ دیں۔ جو سراسر توہین رسالت پر مبنی ہیں۔ مولانا مودودی[1] صاحب نے تو صرف اتنا ہی لکھا ہے۔ کہ آنحضور صلعم کو اندیشہ تھا۔ شاید دجال اپنے عہد میں ظاہر ہو جائے۔" لیکن آپ کا یہ قیاس و گمان درست نہ نکلا۔" اس کے برعکس مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دجال ملعون کو ایک صفت کا

---

[1] بہرحال اس تقریب سے ہمارا مقصد مولانا مودودی صاحب کی وکالت کرنا نہیں۔ ہم نے مودودی صاحب کے متعلق جو کچھ عرض کیا ہے۔ وہ برسبیل تذکرہ ہے۔ مولانا مودودی اور علمائے دیوبند کا معاملہ

کا متصف قرار دے کر آپ کو اور دجال کو ایک ہی صف میں کھڑا کیا۔ چنانچہ مولوی صاحب اپنی تصنیف "آب حیات" میں لکھتے ہیں۔

> آنحضرت صلعم کا کلام اس پیمان کی تصدیق کرتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ تنام عینی ولا ینام قلبی اور کما قال۔ لیکن اس قیاس پر تو دجال کا حال بھی یہی ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ جیسے رسول اللہ صلعم بوجہ مشابہت ارواح مومنین "جس کی تحقیق سے ہم فارغ ہو چکے ہیں" متصف بحیات بالذات ہوئے۔ ایسے ہی دجال بھی بوجہ مشابہت ارواح کفار جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ متصف بحیات بالذات ہوگا۔ اور اس وجہ سے اس کی حیات قابل انفکاک نہ ہوگی۔ اور موت ونوم میں استتار ہوگا۔ انقطاع نہ ہوگا۔ اور شاید یہی وجہ ہے۔ کہ ابن صیاد جس کے دجال ہونے کا صحابہ کو ایسا یقین تھا۔ کہ قسم کھا بیٹھے تھے۔ اپنی نوم کا وہی حال بیان کرتا ہے۔ جو رسول اللہ صلعم نے اپنی نسبت ارشاد فرمایا یعنی بشہادت حدیث وہ بھی یہی کہتا تھا۔ تنام عینی ولا ینام قلبی۔
>
> (آب حیات مطبوعہ دہلی صد ۱۶۹)

آنکھ کا سونا اور دل کا بیدار رہ کر ذکر خدا کرنا۔ یہ صفت خاص انبیاء علیہم السلام کے لئے ہے۔ دوسرا خواہ کوئی بھی ہو اس صفت کا متصف نہیں ہو سکتا۔ لیکن مولانا نانوتوی کا ابن صیاد (جس کے دجال ہونے کا صحابہ کو یقین تھا) کی نیند میں اسی صفت کا تسلیم کرنا صاف بتا رہا ہے۔ کہ مولوی صاحب کے نزدیک اس صفت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دجال مساوی ہیں۔ اس سے بڑھ کر رسالت کی اور کیا تنقیص ہو سکتی ہے۔

(جس میں قاضی مظہر حسین صاحب امیر خدام اہل سنت چکوال بھی "مودودی مذہب" شائع کر کے بزعم خود لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہو گئے ہیں) اس معاملہ سے ہمارا دُور کا بھی واسطہ نہیں:-

انبیاءؑ اور علمِ غیب

اس میں شک نہیں۔ کہ قرآن حکیم میں کچھ ایسی مجمل آیات ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عالم الغیب سوائے ذات احدیت کے اور کوئی نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ (۱) وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ۔ ﴿پ۷ انعام آیہ ۵۹۔ ع۷﴾ ۱) اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ جن کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ (ترجمہ مولانا حافظ فرمان علی شیعہ) (۲) اور اللہ ہی کے پاس ہیں خزانے تمام مخفی اشیا کے۔

ن کو کوئی نہیں جانتا: بجز اللہ تعالیٰ کے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی)

(۲) وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط س نحل آیہ ۷۷ (۱) اور آسمانوں اور زمین کی (تمام) پوشیدہ
تیں اللہ کے ساتھ خاص ہیں۔ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی) (۲) اور سارے آسمانوں اور زمین کی باتیں
راہی کے لئے مخصوص ہیں۔ (ترجمہ مولانا حافظ فرمان علی)

(۳) قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط س نمل آیہ ۶۵ (۱) کہ دو ائے
دل ران لوگوں سے، کہ جتنے لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات سوائے
اکے نہیں جانتا۔ (ترجمہ مولانا فرمان علی) (۲) آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہے
میں سے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

(۴) اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہ س فاطر آیہ ۳۸۔
للہ بھید جاننے والا ہے۔ آسمانوں کا اور زمین کا اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں
جمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی) (۲) بے شک اللہ آسمانوں کی اور زمین کی پوشیدہ باتوں کے جاننے والا
۔ یقیناً وہی دلوں کے حال سے (پورا پورا) آگاہ ہے۔ (ترجمہ حافظ مقبول احمد دہلوی)

(۵) وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ہ س الحجرات آیہ ۱۶ اور
کو خبر ہے۔ جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ (ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث
ا) حالانکہ اللہ جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ اس کو بھی جانتا ہے، جو کچھ زمین میں ہے اس کو بھی جانتا ہے
اللہ ہر چیز کا پورا پورا جاننے والا ہے۔ (ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی)

(۶) اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ہ س الحجرات آیہ ۱۸
شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور جو عمل بھی تم کرتے ہو۔ اللہ اس کے
ہ والا ہے۔ (ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی) ۲۔ بے شک اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کی مخفی باتوں

کو جانتا ہے۔ اور تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے۔ (ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی)

(۷) پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے یوں اعلان کرایا۔ قُل لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِی خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ س انعام آیہ منہ۵ (۱) اے رسول ان سے کہہ دو کہ میں نہیں کہتا۔ کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں۔ (کہ ایمان لانے پر تم کو دے دوں گا) نہ میں غیب کے کل حالات جانتا ہوں۔ (ترجمہ مولانا فرمان علی) (۲) آپ کہہ دیجیئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں۔ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)۔

مفصل آیات سے قطع نظر صرف ان چند مجمل آیات کو سطحی نظروں سے دیکھ کر ایک نظریہ قائم کر لینا اور اسی نظریہ کو ٹھوس عقیدہ بنا لینا ایک محقق کے شان کے خلاف ہے۔ محقق مسئلہ کی چھان بین کے لئے اس کے ہر پہلو کو طائرانہ نہ بلکہ غائرانہ نگاہ سے دیکھ کر رائے قائم کرتا ہے۔

چنانچہ اس مسئلہ (علم غیب) کے متعلق قرآن عزیز کی مفصل آیات میں غور و فکر کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارہ ہو جاتی ہے۔ اور اس دیوبندی عقیدہ کی نفی کرنی پڑتی ہے" کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا یہ علم نہ کسی پیغمبر اور امام کے پاس ہے اور نہ کسی ولی یا شہید کے پاس"۔ جس کو شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان مہتمم مدرسہ دار العلوم تعلیم القرآن (راولپنڈی) نے اپنی کتاب "جواہر القرآن" میں یوں بیان کیا ہے۔

اب علم غیب کو سمجھنا چاہیئے جس پر ایمان اور کفر کا دار و مدار ہے۔

کسی پیر و فقیر یا پیغمبر کے لئے یہ ثابت کرنا کہ جمیع مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یا مَا فِی الصُّدُوْرِ یا ہمارے اعمال و افعال کا اسے علم ہے۔ یا اسے ہر وقت تو نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت دے رکھی ہے۔ کہ جب چاہے، جس وقت چاہے، جو چیز چاہے جان لے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں طاقت دے رکھی ہے۔ کہ آنکھیں کھولیں۔ دیکھ لیں، نہ دیکھنا چاہیئں تو آنکھیں بند کر لیں۔ اس قسم کی طاقت اور قدرت کا غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا بھی کفر اور شرک ہے۔ اور قرآن مجید کے خلاف ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ مکہ والوں کو عذاب دینا، نبی کریم ؐ کے قبضہ میں نہ تھا۔ اس کے بعد سوال کیا گیا کہ اچھا اگر تمہیں عذاب لانے کی طاقت نہیں۔ تو

اتنا بتا دو۔ کہ جس عذاب کا تم وعدہ دیتے ہو وہ کب آئے گا۔ اس کا جواب وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ سے دیا گیا۔

ترجمہ :۔غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ اس کے سوا نہیں کوئی جانتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نفع نہ نقصان کی طاقت اور نہ ہی غیب جاننے کی طاقت اللہ جل شانہ، کی طرف سے دی گئی ہے۔ نیز اگر پیغمبروں کی طاقت ہوتی تو یعقوب علیہ السّلام کو چالیس برس تک انتظار اور قذف عائشہؓ کے واقعہ میں ایک مہینہ تک نبی علیہ السلام کو پریشان رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ اشعار:۔

اگر حاضر ہوتے بہر جا نبی
تو کشف ووحی نہ کچھ غرض تھی

اگر ہر ذرہ کی وہ رکھتے خبر
تو کیوں نہ زہر کھاتے بجنگ خیبر

اگر غیب دان ہیں حضورِ نبیؐ
بدر کے اُساریٰ میں کیوں رائے لی

قصہ عائشہؓ کا نہیں تجھ کو یاد
کہ جب افک والوں نے کیا تھا فساد

نبی نے صحابہ سے شوریٰ لیا
بجز وحی حق کے نہ عقدہ کھلا

صدیق وفاروق وعثمان علی
کمیٹی کے ممبروں سے کوئی رائے لی

اگر غیب دان ہوتے وہ پاکباز
نہ کرتے کمیٹی میں وہ ترک وتاز

خُدا جتنا چاہے جتا دیتا ہے (ق)
وہی جتنا چاہے دکھا دیتا ہے۔

وہ غالب نہیں کرتا کل غیب پہ
نبی ہو ولی ہو فرشتہ اگر

نبی کو جو حاضر و ناظر کہے
بلاشک شرع اس کو کافر کہے

جوہر القرآن صہ ۳۱۲

اسی مسئلہ کے متعلق دیوبندی جماعت کے امام اوّل مولانا اسماعیل شہید دہلوی فرماتے ہیں۔

اور اس بات میں (یعنی غیب کی بات نہ جاننے میں) اولیاء انبیاء اور جن و شیطان اور بھوت پری میں کچھ فرق نہیں۔ (تقویۃ الایمان صہ ۹)

دیوبندیوں کے ایک اور پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی اسی عقیدہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا علم غیب کسی دوسرے کو ثابت کرے۔ وہ بے شک وہ کافر ہے۔ اس کی امامت اور اس سے میل جول، محبت و مودت سب حرام ہے۔
(فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ صہ ۱)

مولانا خلیل احمد انبیٹھی کہتے ہیں۔

اگر کوئی نکاح کرے۔ بہ شہادت حق تعالیٰ و فخر عالم علیہ السلام کے۔ تو کافر ہو جاتا ہے۔ بہ سبب اعتقاد علم غیب کے فخر عالم کی بہ نسبت۔ (براہین قاطعہ صہ ۴۲)

چھوٹے میاں سبحان اللہ:۔

ان لوگوں کو اپنے دماغ کی مرمت کرانی چاہیئے۔ جو یہ لغو ترین اور احمقانہ دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ کو علم غیب تھا۔ (عامر عثمانی ایڈیٹر رسالہ تجلی دیوبند
(تجلی شمارہ دسمبر ۱۹۶۰ء)

لیکن قرآن کریم کی ان مفصل آیات کے پیش نظر یہ ماننا پڑتا کہ انبیاء و اوصیاء علیہم السلام بعطائے ربانی اس علم کے حامل ہیں۔

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (پ۔ س آل عمران آیہ ۱۷۹) -(۱) اللہ تعالیٰ تم کو ایسے امور غیبیہ

مطلع کرتے ولیکن ہاں جس کو خود چاہیں (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی) ۲۔ اور خدا کی یہ شان نہیں
کہ وہ تمام کی باتوں سے آگاہ کر دے۔ لیکن خدائے تعالیٰ اپنے رسولوں سے جس کو چاہتا ہے
ن بات کے لئے) منتخب کر لیتا ہے۔ (ترجمہ مولانا مقبول احمد دہلوی) اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ عام
ں کو علم غیب دے دے۔ ہاں چُن لیتا ہے۔ اپنے رسولوں سے جسے چاہے (ترجمہ مولانا مفتی شاہ محمد
خان بریلوی)

مولانا احمد رضا خان بریلوی کے مترجم قرآن مجید کے حاشیہ پر مولانا سید محمد نعیم الدین اسی آیہ
ر کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ خلقت و آفرینش سے قبل جب کہ میری
اُمت مٹی کی شکل میں تھی۔ اسی وقت وہ اپنی صورتوں میں میرے سامنے پیش کی گئی۔ جیسا کہ
حضرت آدم پر پیش کی گئی۔ اور مجھے علم دیا گیا۔ کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا۔ اور کون
کفر کرے گا۔

یہ خبر جب منافقین کو پہنچی۔ تو انہوں نے براہِ استہزا کہا۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
کا گمان ہے۔ کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے۔ اُن میں سے
کون ان پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا۔ باوجودیکہ ہم ان کے ساتھ ہیں۔
اور ہمیں نہیں پہچانتے۔

اس پر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر قیام فرما کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا
کے بعد فرمایا۔ ان لوگوں کا کیا حال ہے۔ جو میرے علم میں طعن کرتے ہیں۔ آج سے قیامت
تک جو کچھ ہونے والا ہے اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے۔ جس کا تم مجھ سے سوال کرو۔
اور میں تمہیں اس کی خبر نہ دے دوں۔

عبداللہ بن حذافہ سہمی نے کھڑے ہو کر کہا۔ میرا باپ کون ہے یا رسول اللہ۔ فرمایا
حذافہ۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، انہوں نے فرمایا یا رسول اللہ ہم اللہ کی
ربوبیت پر راضی ہوئے۔ آپ کی نبی ہونے پر راضی ہوئے۔ اور قرآن کے امام ہونے
پر راضی ہوئے۔ ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں۔

حضور نے فرمایا۔ کیا تم باز نہ آؤ گے، پھر منبر سے اُتر آئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کی تمام چیزوں کا علم عطا کیا گیا ہے۔ اور حضور کے علم غیب میں طعن کرنا منافقین کا طریقہ ہے۔

ص۳۵۴ تو ان برگزیدہ رسولوں کو غیب کا علم دیتا ہے اور سید انبیاء حبیب خُدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسولوں میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔ اس آیت سے اور اس کے سوا بکثرت آیات واحادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غیوب کے علم عطا فرمائے ہیں۔ اور غیوب کے علم آپ کا معجزہ ہے۔

آیہ شریفہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ کو حقیقت شناس نگاہوں سے دیکھنے اور اس میں غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عالم الغیب بے شک خُدا ہے۔ مگر اپنے بعض رسولوں کو منتخب کر کے اُن کو اکثر امورِ غیب پر مطلع کر دیتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کہ "اللہ اپنے بندوں کو غیب سے مطلع نہیں کرتا۔ مگر جسے رسالت کے لئے چن لیتا ہے" معلوم ہوا۔ بعض انبیاء و رُسل جن کو اللہ چن لے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ ان کے لئے اخبارِ غیب بیان کرنا معجزہ ہوتا ہے اور معجزہ ان کی نبوت و رسالت کی دلیل ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی آیہ مجیدہ کی تفسیر میں ملا محسن فیض کاشانی تفسیر صافی کے ص۹۸ پر لکھتے ہیں۔

مَا كَانَ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ فَيُطْلِعَ عَلٰى مَا فِي الْقُلُوبِ مِنْ اَخْلَاصٍ وَنِفَاقٍ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُسُلِهٖ مَنْ يَشَاءُ فَيُوحِيْ اِلَيْهِ وَيُخْبِرُهُ بِبَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ۔

شیخ الطائفہ نے تفسیر تبیان جلد ۴ ص۶۳ پر اسی آیہ مبارکہ کے ذیل میں لکھا ہے۔

ولکن اللہ اجتبیٰ رسولہ باعلامہ کثیراً من الغائبات۔ خداوند عالم اپنے بعض رسولوں کو منتخب کر کے ان کو بہت سے غائب امور پر مطلع کر دیتا ہے۔ کذا فی اصول الشریعہ ص۱۰۵

(۲) عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ س جن آیہ ۲۶،۲۷ وہی غیب دان ہے۔ اور اپنی غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ مگر جس پیغمبر کو پسند فرمائے۔ (ترجمہ

مولانا حافظ فرمان علی۔)

(۲) غیب کا علم جاننے والا وہی ہے۔ سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ ہاں مگر اپنے
سی برگزیدہ پیغمبر کو۔ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

(۳) غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلّط نہیں کرتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔
(ترجمہ مولانا مفتی شاہ محمد احمد رضا خان بریلوی)۔

شانِ نزول :۔ نضر بن حارث نے کہا تھا کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ف[۴۷]۔ یعنی وقت عذاب کا علم غیب ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانے۔

ف[۴۸]۔ یعنی اپنے غیب خاص پر جس کے ساتھ وہ منفرد ہے۔ (خازن و بیضاوی)

ف[۴۹]۔ یعنی اطلاع کامل نہیں دیتا جس سے حقائق کا کشف تام اعلیٰ درجے کے یقین کے ساتھ حاصل ہو۔

ف[۵۰]۔ تو انہیں غیوب پر مسلط کرتا ہے اور اطلاع کامل اور کشفِ تام عطا فرماتا ہے اور یہ علم غیب ان کے لئے معجزہ ہوتا ہے۔

اولیاء کو بھی اگرچہ غیوب پر اطلاع دی جاتی ہے۔ مگر انبیاء کا علم باعتبار کشف و انجلاء اولیاءؒ کے علم سے بہت بلند و بالا و ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے۔ اور اولیاء کے علوم انبیاء کی وساطت اور انہیں کے فیض سے ہوتے ہیں۔

معتزلہ ایک گمراہ فرقہ ہے۔ وہ اولیاء کے علم غیب کا قائل نہیں۔ اس کا خیال باطل اور احادیث کثیرہ کے خلاف ہے۔ اس آیت سے ان کا تمسک صحیح نہیں۔

سید المرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں میں سب سے اعلیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اشیاء کے علوم عطا فرمائے۔ جیسا کہ صحاح کی معتبر احادیث سے ثابت ہے۔ اور یہ آیت حضور کے اور تمام مرتضیٰ رسولوں کے لئے غیب کا علم ثابت کرتی ہے۔ (تفسیر از مولانا سید محمد نعیم الدین)

تفسیر صافی ص۵۱۴ (شیعہ) پر آیہ مجیدہ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی۔ الخ کی تفسیر میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے۔

رسول اللہ مرتضیٰ ونحن ورثۃ ذالک الرسول الذی اطلعہ اللہ علیٰ من یشاء من غیبہ فعلمنا ما کان و ما یکون الیٰ یوم القیامۃ۔ جناب رسول خدا صلعم من جانب اللہ مرتضیٰ اور منتخب ہیں۔ ہم اس رسول کے علم کے وارث ہیں۔ جس کو خداوند عالم نے حسب مشیت اپنے بعض غیوب پر مطلع کیا ہے۔ اس لئے ہم ما کان و ما یکون الیٰ یوم القیامۃ کا علم رکھتے ہیں۔

قرآن حکیم کے ارشاد عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ کی تفسیر میں علامہ طبرسی مجمع البیان جلد ۴ پر تحریر فرماتے ہیں۔

فلا یظھر علیٰ غیبہ احداً الیٰ لا یطلع علی الغیب احداً من عبادہ ثم استثنیٰ فقال الا من ارتضیٰ من رسول یعنی الرسول فانہ یستدل علی نبوتھم بان یخبر وا بالغیب لتکون ایۃ معجزۃً لھم و معناان من ارتضاہ واختارہ للنبوۃ فانہ یطلعہ علیٰ ماشاء من غیبہ علی حسب مایراہ من المصلحۃ:۔ خدا اپنے غیب اپنے بندوں میں سے کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ پھر استثنا کرتے ہوئے فرمایا۔ ہاں مگر جسے رسالت کے لئے منتخب کرلے، کیونکہ ان کے لئے غیب خبر دینا معجزہ ہوتا ہے۔ جس سے ان کی نبوت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا جسے نبوت کے لئے منتخب کرتا ہے اسے حسب مصلحت بعض غیوب پر بھی مطلع کردیتا ہے۔

آیہ مذکورہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے صاحب تفسیر تبیان جلد ۱۰ ص۱۵۹ پر لکھتے ہیں۔

الا من رسول فانہ ربما اطلعہ علیٰ ما غاب عن غیرہ من الخلائق بان یوحی الیھم بما شاء من الغیب:۔ خدا عالم الغیب ہے۔ وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، مگر اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔ کیونکہ ان کو لبسا اوقات بذریعہ وحی بعض ایسے امور پر مطلع کردیتا ہے جو دوسری مخلوق سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ (کذا فی اصول الشریعہ)

اسی آیہ شریفہ کی تفسیر میں ملا حسین واعظ کاشفی تفسیر حسینی میں لکھتے ہیں۔

آیہ مجیدہ عٰلِمُ الْغَیْبِ میں مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ مگر جسے پسند کر لیتا ہے۔ اپنے رسولوں میں سے کہ اُسے اُن میں سے بعض پر اطلاع دیتا ہے۔ تاکہ اس رسول کا معجزہ ہو، اور یہاں رسول سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

تفسیر قادری ترجمہ تفسیر حسینی مترجم مولوی فخر الدین۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام کی ملاقات بعض انبیاء کے بعطائے ربانی علم غیب پر مطلع ہونے کی بین دلیل ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی مجمع البحرین (دو دریاؤں کے مقام اتصال) پر پہنچے۔ جہاں نشان کے طور پر بھونی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر چلی گئی۔ وہاں اس معلم الٰہی سے ملاقات ہوئی۔ قَالَ لَهٗ مُوْسٰی۔ حضرت موسیٰ اور خضر علیہم السلام کی ملاقات بعض انبیاء کے بعطائے ربانی علم غیب پر مطلع ہونے کی ایک بین دلیل ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا بحکم خداوندی مجمع البحرین (دو دریاؤں کا مقام اتصال) پر پہنچے، جہاں نشان کے طور پر بھونی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی۔ وہاں اس معلم الٰہی سے ملاقات ہوئی۔

قَالَ مُوْسٰی هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔ حضرت موسیٰ نے (رسمی علیک سیک کے بعد) کہا۔ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں۔ تاکہ وہ مفید علم جو (منجانب اللہ) آپ کو تعلیم ہوا ہے۔ اس میں سے آپ مجھے بھی کچھ سکھا دیں۔

اس معلم (حضرت خضر) نے کہا۔ میں تمہیں صرف اس شرط پر ساتھ رکھ سکتا ہوں۔ کہ تم میرے کسی عمل پر اعتراض کرو گے۔ نہ کسی بات کے متعلق مجھ سے دریافت کرنے کی کوشش کرو گے۔ جب تک کہ میں خود تمہیں کچھ نہ بتاؤں۔ حضرت موسیٰ نے وعدہ کیا۔ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا۔ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ اور میں کسی بات میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کروں گا۔ اس وعدہ پر حضرت خضر جناب موسیٰ کو لے کر آگے بڑھے اور دریا پار کرنے کے لئے کشتی پر سوار ہوئے۔ اثنائے سفر میں حضرت خضر نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ حضرت موسیٰ یہ سمجھ کر کہ اس طرح یہ شخص کشتی میں سوار لوگوں کو غرق کر دینا چاہتا ہے۔ گھبرا گئے۔ اور قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ج لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا۔ بول پڑے۔ کیا آپ نے کشتی میں چھید اس لئے کیا ہے۔ کہ اس کے بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں۔ یہ تو آپ نے بہت بڑے خطرہ کی بات کی ہے۔

یہ سُن کر حضرت خضرؑ نے کہا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِیَ صَبْرًا کہا۔ میں نے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔

حضرت موسیٰ نے اپنے وعدہ کی خلاف ورزی پر یہ کہہ کر معافی مانگی۔ بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ اَمْرِي عُسْرًا کہ آپ میری اس بھول پر باز پرس نہ کریں۔ اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ دباؤ نہ ڈالیں۔ اب کشتی سے اُتر کر آگے بڑھے۔ راستہ میں ایک نہایت حسین وجمیل لڑکا کھیلتا ہوا دیکھا۔ خضرؑ نے بلاجھجک اس کو قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰ خضر علیہ السلام کی اس عمل سے بے حد پریشان ہوئے اور گھبرا کر بولے۔ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً م بِغَيْرِ نَفْسٍ ط لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا آپ نے ایک بے گناہ بچے کو مار ڈالا۔ اور وہ بھی بغیر کسی کے قصاص کے، بے شک آپ نے تو یہ بڑی بے جا حرکت کی ہے۔

خضرؑ نے جواب دیا۔ میں نے تمہیں کہا نہ تھا، کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے۔ موسیٰ نے کہا خیر اب تو اس بات کو جانے دیں۔ اگر پھر بھی میں نے آپ سے کسی امر کا سوال کیا۔ تو پھر آپ بے شک مجھے علیحدہ کر دیں۔ آپ میری طرف سے عذر خواہی کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔

اب دونوں آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ایک گاؤں میں پہنچے۔ ایک دیوار کو دیکھا۔ جو گرنے کے بالکل قریب تھی حضرت خضرؑ نے ہاتھ کے اشارہ سے اس کو سیدھا کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ پھر نہ رہ سکے اور کہا۔ اگر تم چاہتے، تو اس کام پر کچھ اجرت ہی لے لیتے۔

حضرت موسیٰ کی یہ بات سُن کر خضرؑ نے کہا۔ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ۔ بس ہماری جدائی کا وقت آ گیا۔ اب میں حسب وعدہ گذشتہ امور کی حقیقت بتائے دیتا ہوں، جن پر تم صبر نہ کر سکے۔ تو سنو! وہ کشتی جس کو میں نے سوراخ کر کے عیب دار بنا دیا۔ وہ چند غریب لوگوں کا ذریعہ معاش تھی۔ وہ اس کے ذریعہ دریا میں محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ پالتے تھے۔ میں نے اس کو عیب دار اس لئے کر دیا۔ وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا آگے ایک ظالم بادشاہ تھا۔ جو ہر کشتی (بیگار) میں پکڑ رہا تھا۔ وہ اس کشتی کو عیب دار پا کر چھوڑ دے گا اور وہ غریب لوگ کشتی کو مرمت کر کے دن کو محنت ومزدوری کرتے رہیں گے۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا اب رہا وہ لڑکا! (جس کو میں نے قتل کیا) اس کے ماں باپ دونوں ایماندار تھے۔ پس مجھے اندیشہ ہوا۔ (یعنی تحقیق ہوا) کہ یہ ان

دونوں پر سرکشی اور کفر کا اثر ڈال دے۔ اور اُن کے اعمال ضائع کردے۔ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے۔ وَاَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَّاَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ ○ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ کی حجت پر حضرت خضر نے اس لڑکے کا شانہ اکھاڑ کر جس پر کافر مطبوع لکھا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ کو دکھا دیا۔ (حاشیہ قرآن مجید مترجم مولانا حافظ مقبول احمد دہلوی)

فَاَرَدْنَا اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ○ پس ہم نے چاہا کہ بجائے اس کے ان کا پروردگار دے، جو پاکیزگی (دین) میں اس سے بہتر ہو۔ اور ماں باپ کے ساتھ محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ۔ اب رہی وہ دیوار جو اس بستی کے دو یتیم بچوں کی تھی۔ اس کے نیچے ان کے باپ کا خزانہ ہے۔ جو ایک نیک مرد تھا۔ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ○ پس تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ بالغ اور عاقل ہونے پر [illegible] خود نکالیں۔ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ○ لیجئے یہ ہے ان با[illegible] آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

حضرت خضر علی نبینا کا آگے یا پیچھے سے کشتیوں کو بیگار میں پکڑنے وا[illegible] سے قبل از وقت مطلع ہونا۔ لڑکے کے پوشیدہ کفر اور سرکشی سے مومنین والدین پر غالب آکر اُن کے اعمال کو ضائع کرنا۔ یتیم بچوں کے چھپے ہوئے خزانہ کے راز سے واقف ہونا، کیا یہ سب اخبار غیب نہیں؟۔

حقیقت میں یہی وہ علم غیب ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ اور پسندیدہ بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ اسی قصہ کی ابتداء میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ ہمارے بندوں سے ایک بندے کو پایا۔ جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی تھی۔ اور اس کو ہم نے اپنے پاس سے علم سکھایا تھا۔ (ترجمہ مولانا سید مقبول احمد دہلوی)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک مخلوق کو [illegible] ہدایت پر لگانے اور تعلیم دینے کے لئے جتنے انبیاء مبعوث فرمائے ان میں ہر ایک کی تبلیغ کا دائرہ اور زمانہ محدود تھے۔

اسی لئے اُن کو علم بھی محدود عطا فرمایا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا صرف علم الاسماء عطا فرمایا۔ حضرت نوح علیٰ نبینا کو وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا کے ارشاد سے علم جہاز رانی "NAVIGATION" کی تعلیم دی۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰہِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ملکوت ارضی و سماوی کا علم عطا فرمایا۔ حضرت داؤد علی نبینا کو وَعَلَّمْنٰہُ صَنْعَۃَ لَبُوْسٍ لَّکُمْ زرہ سازی "ARMOURY" کا علم پڑھایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ نابینا کو بینا برص و جذام (کوڑھ) کے مریضوں کو شفا اور مُردوں کو باذن اللہ زندہ کرنے کا علم بخشا۔

پھر جب وہ زمانہ آیا۔ کہ اختصاص ارضی مرتفع ہو گیا۔ تو خُداوند عالم نے علم و فضل۔ اختیار و اقتدار کی حدبندیاں ختم کر کے خاتم الانبیاء حضرت محمد مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالمین کا معلم اور ہادی بنا کر بھیجا۔ لہٰذا آپ کو علم بھی جزوی کے بجائے وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ کلی عطا فرمایا۔ یعنی وہ علم آپ کو تعلیم فرمایا جس کو آپ نہیں جان سکتے تھے۔ صرف اسی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا۔ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ میرے حبیبؐ مجھ سے دعا کرو (مانگو) میرے پالنے والے میرا علم زیادہ کر:۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ اور کون مستجاب الدعوات ہو سکتا ہے۔ آپ نے اُمت میں گناہوں کی زیادتی دیکھی تو اُمت کے گناہ اپنے ذمہ لے کر دعا کی۔ دعا قبول ہوئی۔ قبولیت دعا کی سند آیت بن کر نازل ہوئی۔ ارشاد قدرت ہوا۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ ہم نے تمہیں کھلی ہوئی فتح عطا کی۔ تاکہ تمہارے (اُمت کے) تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیں۔

آپ کا سوال بارگاہِ رب العزت سے کبھی رد نہیں ہوا۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی کی مصداق زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا کبھی نامنظور نہیں ہوئی۔ لہٰذا جب آپ کی یہ دعا میرے پالنے والے میرا علم اور زیادہ کر مقبول ہوئی ہو گی۔ تو پھر کون ہے جو آپ کے اس علم کا اندازہ کر سکے۔ جو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا۔ چنانچہ آپ کے علم کے متعلق سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم غیب تو کیا، جملہ علوم ارضی و سماوی۔ ناسوتی و جبروتی۔ ملکوتی و لاہوتی کے حامل تھے۔ مذکورہ حقائق کی روشنی میں ثابت ہوا کہ انبیاء اور اولیا باعلام اللہ علم غیب رکھتے ہیں، اور اکثر غیوب پر

مطلع ہوتے ہیں۔ لیکن اس علم کے حاصل ہونے کے باوجود کسی نبی یا رسول کو کسی وصی یا ولی کو بایں معنی عالم الغیب کہنا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب کہا جاتا ہے، جائز نہیں۔ کیوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بار بار ارشاد فرمایا۔ سوائے اللہ کے اور کوئی عالم الغیب نہیں، جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ عالم الغیب ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت خاص ہے۔ جس سے کہ کسی غیر اللہ کو متصف نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن مجید کی مجمل آیات پر پوری طرح غور و خوض کرے اور مفصل آیات کو سمجھے کے بغیر انبیاء علیہم السلام کے علم و فضل سے انکار کرنا۔ اُن کے کمالات نبوت و رسالت کی تنقیص کرنا۔ ان معصوم من اللہ ہستیوں کی ذوات مقدسہ میں عیب جوئی کرنا۔ مقصد بعثت انبیاء کے منافی ہے۔ اور ان کے معبوث فرمانے والے خالق کائنات سے کھلی ہوئی بغاوت ہے۔ اور قرآن کریم نے ارشاد فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اے ایمان والو! اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر اور اس سے نہ بولو تڑک کر جیسے کہ تڑکتے ہو ایک دوسرے پر کہیں اکارت نہ ہو جائیں تمہارے کئے اور تم کو خبر نہ ہو۔ کی صریح خلاف ورزی ہے۔ (ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی)

پھر بھی اہل اسلام میں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں، جنہوں نے جانتے بوجھتے ہوئے اپنی کتابوں میں ایسی باتیں لکھ دی ہیں جن سے توہین و تنقیص انبیاء و صاف مترشح ہوتی ہے۔ ایسے لوگ صرف چودہویں صدی کی پیداوار نہیں، بلکہ عہد رسالت میں بھی موجود تھے۔ حقیقت میں انہیں سے توہین رسالت کی ابتداء ہوئی۔

نوٹ:۔ بخاری ابن منذر ابن مردویہ نے عبداللہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسول کریم کے پاس بنی تمیم کے کچھ لوگ آئے۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! ان لوگوں کا حاکم قعقاع بن معبد کو بنائیں، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اقرع بن حابس کو ان کا امیر بنائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ تم میری مخالفت کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا، میں آپ کی مخالفت نہیں کر رہا، غرض اس طرح کی باتیں ہوتے ہوتے آوازیں بلند ہو گئیں۔ اس وقت یہ آیت بطور تنبیہ نازل ہوئی۔

(حاشیہ قرآن مجید مترجم مولانا فرمان علی بحوالہ تفسیر در منثور جلد ۶ صہ ۸۳ مطبوعہ مصر)

بخاری اور نسائی نے ابن منذر بن جریر بن ابی حاتم ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے۔

کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ کہ حرقوص[1] بن زہرہ ذوالخویصرہ تمیمی نے جو خوارج کا سردار تھا۔ گستاخانہ لہجہ میں کہا۔ یا رسول اللہ انصاف کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ وائے ہو تجھ پر اگر میں انصاف نہ کروں گا۔ تو پھر اور کون ہے جو انصاف کرے گا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا۔ اجازت ہو تو ابھی اس کی گردن اڑا دوں۔

فرمایا: نہ اس کو چھوڑ دو۔ اس کے اور بھی کئی ساتھی ہیں۔ تم میں سے ہر شخص ان کی نمازوں اور روزوں کے سامنے اپنی نمازوں اور روزوں کو حقیر پائے گا۔ یہ مارقین ہیں۔ یہ لوگ دین سے نکل جائیں گے۔ جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے ان کا سردار ایک سیاہ فام مرد ہوگا۔ جس کی ایک چھاتی عورت کی طرح ہوگی۔ یہ لوگ اس وقت خروج کریں گے۔ جب امت کے لوگوں میں تفرقہ ہو جائے گا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝ اور بعض ان میں ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں۔ زکواۃ بانٹنے میں۔ سو اگر ان کو ملے اس میں سے راضی ہوں۔ اور اگر نہ ملے، تب ہی وہ ناخوش ہو جائیں۔

اسی آیت کی تفسیر میں صاحب تفسیر مجمع البیان حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یوں نقل فرماتے ہیں۔

جناب رسول خدا صلعم تشریف فرما تھے۔ کہ ذوالخویصرہ تمیمی کا بیٹا حرقوص بن زہیر فرقہ خوارج کا بانی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کی۔ یا رسول اللہ انصاف کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ وائے تجھ پر، اگر میں انصاف نہ کروں گا، تو کون انصاف کرے گا الخ آگے بہت طویل حدیث ہے۔ جو بخاری اور مسلم کی مذکورہ حدیث سے ملتی جلتی ہے۔ لہٰذا اس

---

[1] یہ حرقوص بن زہیر تمیمی جنگ نہروان میں حضرت علی علیہ السلام کی تلوار شرربار سے واصل جہنم ہوا۔
بحوالہ سراج المبین فی تاریخ امیر المومنین صـ ۲۹۶

کو ترک کر دیا واصف نقوی) اسی پر آیہ مِنْهُمْ مَّن يَّلْمِزُكَ نازل ہوئی۔ (حاشیہ قرآن مجید مترجم حافظ مقبول احمد دہلوی)

اسی آیہ کے متعلق تفسیر قادری ترجمہ تفسیر حسینی میں ہے۔

جب آیہ شریفہ مِنْهُمْ مَّن يَّلْمِزُكَ نازل ہوئی۔ تو ابن ابو الخویصرہ جو حرقوص بن زہیرہ کی طرح ایمان سے خارج ہونے والوں کا سردار تھا۔ جب کہ حنین کی غنیمتیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقسیم فرما رہے تھے۔ اور تالیف قلوب کے واسطے نئے مسلمانوں کو آپ نے زیادہ حصہ دیا۔ تو اس نے اس بات پر طعن کی۔ یا اس وقت جب سونا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یمن سے بھیجا تھا۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب سونا شرفائے عرب سے چار ہی آدمیوں کو دے دیا۔ تو اس نے جرأت اور بے باکی کر کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ صلعم انصاف کیجئے۔ اور آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ پھٹے مُنہ تیرے۔ اگر میں نے انصاف نہیں کیا۔ تو کون شخص انصاف کرے گا۔ آپ نے اس کا اور اس کی قوم کا لقب مارقین رکھا۔ یعنی ایمان سے خارج ہونے والے اور ینابیع المودۃ میں ہے۔ کہ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔ تم اسی قوم قتال کرو گے۔ اور امام ثعلبی رحمۃ اللہ اپنی تفسیر میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ میں نہروان میں حاضر تھا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُن کے ساتھ قتال کیا۔ (تفسیر قادری جلد اوّل ص۳۹۶، ۳۹۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی ابتدا تھی۔ جو ذوالخویصرہ تمیمی سے شروع ہوئی۔ نیز حضور کا ارشاد کہ اس کے اور بھی ساتھی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قیامت تک ہر معترض شان رسالت ذوالخویصرہ کے ساتھیوں میں شمار ہوگا۔ حضرت امیرالمومنین نے جنگ نہروان کے خاتمہ کے بعد بتایا۔ کہ ہلاک اور مقتول ہونے کے باوجود یہ خوارج کسی نہ کسی رنگ میں موجود رہیں گے۔ لَمَّا قُتِلَ الْخَوَارِجُ فَقِيلَ لَهُ۔ جب جنگ نہروان میں خوارج قتل ہو گئے۔

تو عرض کیا گیا۔ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَلَكَ الْقَوْمُ بِأَجْمَعِهِمْ یا امیرالمومنین وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَام یہ سن کر امیرالمومنین نے فرمایا كَلَّا وَاللهِ إِنَّهُمْ

نُطَفٌ فِی اَصلَابِ الرِّجَالِ وَقَرَارَاتِ النِّسَآءِ۔ نہیں خدا کی قسم نہیں۔ ابھی تو یہ مردوں کے صلبوں اور عورتوں کے رحموں کے اندر نطفہ کی شکل میں موجود ہیں۔ (نہج البلاغہ مترجم رئیس احمد جعفری و عبدالرزاق ملیح آبادی خطبہ ۵۹ ص ۲۳۶)

درحقیقت اسلام میں یہی وہ گروہ ہے۔ جو اہل حق کو کسی نہ کسی صورت میں کافر اور مشرک قرار دیکر جدال و قتال کو جائز کہتا رہا۔ جس کی واضح مثال تاریخ اسلام میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے شیعوں کو معاذ اللہ کافر قرار دینے اور خلیفہ برحق سے سرکشی کی موجود ہے۔ جس کا نتیجہ جنگ نہروان کی شکل میں ظاہر ہوا۔ عبدالرحمان بن ملجم اسی گروہ کا ایک فرد تھا۔ جس کے ہاتھ سے مسجد کوفہ کے اندر حالت نماز میں جناب امیر علیہ السلام کی شہادت واقع ہوئی۔

یہی وہ گروہ ہے، جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مارقین یعنی دین سے نکلنے والے فرمایا ہے اور حضرت علی سے فرمایا میرے بعد تم مارقین سے جنگ کروگے۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گروہ کی فتنہ سامانیوں کی خبر دیتے ہوئے فرمایا۔ ھناک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطن (الحق المبین ص ۷ بحوالہ مشکوٰۃ مطبوعہ مجتبائی ص ۵۸۲)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پیشگوئی کے مطابق اغلباً یہ فتنہ سرزمین نجد سے محمد بن عبدالوہاب کی شکل میں ظاہر ہوا۔ جس نے اپنے عقائد باطلہ کی ترویج کے لئے کتاب التوحید کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اسی ابن عبدالوہاب نے نجد میں مسلمانوں کو کافر و مشرک کہکر سب کو مباح الدم (واجب القتل) قرار دیا۔ اور توحید کی آڑ لے کر شان نبوت و ولایت میں خوب گستاخیاں کیں (الحق المبین مولانا سید احمد سعید کاظمی ص ۸)

ابن عبدالوہاب نے توحید کے پردہ میں شان رسالت کی تفسیر میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اگر ابن عبدالوہاب کے اس مفروضہ عقیدہ توحید اور دوسرے اکثر مکاتب فکر کے مسلمانوں کے عقیدہ کا جائزہ لیا جائے۔ تو ان کی اس توحید میں (جس پروہ تمام دنیا میں اپنے موحد ہونے کا ڈھنڈورہ پیٹ رہے ہیں) اور دیگر اہل اسلام کی توحید میں زمین اور آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ کیونکہ دوسرے مسلمان اللہ تعالیٰ کو جسم وجسمانیات سے۔ عبدالوہاب یا محمد بن عبدالوہاب کا زمانہ بارہویں صدی ہجری یا تیرہویں صدی کے اوائل میں بتایا جاتا ہے۔ اس کے مذہب (وہابیہ) کو سنہ ۱۱۶۰ھ میں شیوع ہوا۔ (رسالہ کشف القناع ص ۱۲۵)

سے مبرّہ اور منزّہ جانتے ہیں۔ ذات و صفات میں بے مثل و بے نظیر مانتے ہیں۔ ہر طرح کے نقص اور عیب سے دامن ربوبیت کو پاک سمجھتے ہیں۔ لیکن ابن عبدالوہاب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا مکان عرش ہے۔ انّ اللہ فوق العرش۔ خدا عرش کے اوپر ہے (کتاب التوحید ص۱۴۳) علاوہ ازیں مثل ہاتھ اور پاؤں کے اعضاء بھی رکھتا ہے۔ اس فاسد عقیدہ کی بنیاد جن مجہول روایات پر استوار کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے۔

انّ اللہ فوق عرشہ وعرشہ فوق سمٰوٰتہ وارضہ مثل القبۃ وانہ لیئط بہ اطیط الرجل بالراکب۔ یعنی خدا عرش پر ہے اور عرش آسمانوں کے اوپر ہے عرش خدا کے (بیٹھنے) سے یوں چرچراتا ہے۔ جیسے سوار کے بیٹھنے سے زین چرچراتی ہے۔ (کنز العمال ج ۱ ص۵۷ طبع حیدر آباد دکن)

ابن عبدالوہاب نے اپنی کتاب التوحید میں اس سلسلہ کی بعض دوسری روایات کو نقل کرنے کے بعد ان سے نتائج اخذ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

الخامسۃ التصریح بذکر الیدین وان السمٰوٰت فی الید الیمنیٰ والارضین فی الید الاخریٰ۔ پانچواں امر یہ کہ (ان روایات میں) اس بات کی تصریح موجود ہے کہ خدا کے دونوں ہاتھ ہیں۔ آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں ہے۔ اور زمین بائیں ہاتھ میں۔ (کتاب التوحید ص۲۱۳)

صرف یہی نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے چلنا پھرنا۔ اُترنا چڑھنا اور ہنسنا وغیرہ صفات بھی (جو حقیقتاً مخلوق کی صفات ہیں) تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے مشہور و معروف عالم مولوی وحید الزمان صاحب اپنی کتاب انوار اللغۃ میں لکھتے ہیں۔

اس کا مکان عرش معلّیٰ پر ہے۔ اور اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ وہ جہت فوق میں ہے۔ جہاں چاہے وہاں جا سکتے ہیں۔ اوپر چڑھتا اور نیچے اترتا ہے۔ کلام کرتا ہے۔ ہنستا اور تعجب کرتا ہے۔ (منقول از اصول الشریعہ مولانا محمد حسین ص۲۲۳)

دیوبندی[1] یا وہابی حضرات کا خداوند عالم کے متعلق عقیدہ یہ ہے۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنے

---

[1] اگرچہ دیوبندی اور وہابی دو الگ الگ لفظ ہیں، لیکن ان سے مراد وہی گروہ ہے جو اپنے ماسوا دوسرے تمام مسلمانوں کو کافر مشرک اور بدعتی قرار دیتا ہے۔ (رسالہ الحق المبین ص۵)

بندوں کے اعمال کا پہلے سے کوئی علم نہیں ہوتا۔ چنانچہ مولوی حسین علی آف بھچراں استاد معظم مولانا غلام اللہ خان مہتمم مدرسہ دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی اپنی تفسیر بلغتہ الحیران میں رقم طراز ہیں۔

اور انسان خود مختار ہے اچھے کام کریں یا نہ کریں، اور اللہ کو پہلے سے کوئی علم بھی نہیں ہوتا، کہ کیا کریں گے۔ بلکہ اللہ کو ان کے کرنے کے بعد معلوم ہو گا اور آیات قرآنی جیسا کہ ولیعلم الذین بھی اور احادیث کے الفاظ بھی اس پر منطبق ہیں۔ (بلغتہ الحیران صفحہ ۱۵۷ اور صفحہ ۱۵۸ مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور۔

اس مقام پر علماء دیوبند کا یہ کہنا انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ کہ اس عبارت میں مولوی حسین علی صاحب نے اپنا مذہب نہیں، بلکہ معتزلہ کا عقیدہ بیان کیا ہے حالانکہ مولوی صاحب مذکور نے اس عقیدہ کو قرآن اور حدیث کے مطابق جان کر اس کی حقانیت کو تسلیم کیا۔ لہٰذا یہ عقیدہ خواہ معتزلہ کا ہو یا کسی اور کا، جس عقیدہ کو قرآن حکیم اور احادیث رسول ﷺ کی تائید حاصل ہو:۔ اس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا:۔ برخلاف اس کے علماء اہل سنت کے نزدیک علم الٰہی کا منکر خارج از اسلام ہے۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری میں ہے۔

من اعتقد ان اللہ لا یعلم الاشیاء قبل وقوعھا فھو کافر وان عد قائلہ من اھل البدعۃ (ترجمہ) جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے واقع ہونے سے پہلے نہیں جانتا وہ کافر ہے۔

آیہ کریمہ ولیعلم الذین اور اسی قسم کی دیگر آیات اور احادیث میں مجاہدین اور غیر مجاہدین اور مومنین و منافقین کا امتیاز باہمی مراد ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو مومنین سے اور غیر مجاہدین کو مجاہدین سے ابھی تک جدا نہیں کیا۔ آئندہ علم الٰہی کے مطابق انہیں الگ کر دیا جائے گا۔ یہاں "علم" سے مراد "تمیز" ہے۔ "فلیعلمن اللہ" بمنزلہ "فلیمیزن اللہ" کے ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے قول "لیمیز اللہ الخبیث من الطیب" میں خبیث سے طیب کا جدا ہونا منصوص ہے۔ ایسے ہی ان آیات میں (جنہیں مولوی حسین علی نے نفی علم الٰہی کی دلیل سمجھا ہے) مومنین و منافقین اور مجاہدین و غیر مجاہدین کا ایک دوسرے سے الگ ہونا مذکور ہے۔ (الحق المبین (مولانا سید احمد کاظمی) صفحہ ۶۵، ۶۶)

یہ وہابی جو بڑے طمطراق سے خود کو موحد کہتے ہیں۔ اور اسی توحید پرستی کی آڑ میں باقی جملہ اہل اسلام کو کافر مشرک اور بدعتی جانتے ہیں، مگر ان کے علماء کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے چنانچہ دیوبندیہ وہابیہ کے امام اوّل مولانا شاہ اسماعیل شہید اپنی فارسی تصنیف "یکروزی" میں لکھتے ہیں۔

پس لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد الی قوله الخ لازم آید کہ قدرت انسانی زائد از قدرت ربانی باشد (ترجمہ) پس ہم نہیں مانتے کہ خدا کا جھوٹ محال بالذات ہو۔ ورنہ لازم آئے گا کہ انسانی قدرت سے زاید ہے۔ یکروزی ص۱۵۱

یہی مولوی اسماعیل دہلوی آگے چل کر اپنی اسی کتاب "یکروزی" کے ص۱۴۵ پر لکھتے ہیں۔

عدم کذب را از کمالات حضرت حق سبحانہ، می شمارند، واو را جل شانہ، بآں مدح می کنند۔ برخلاف اخرس وجہاد وصفت کمال ہمیں است۔ کہ شخصے قدرت بر تکلم بکلام دارد۔ (ترجمہ) جھوٹ نہ بولنے کو اللہ تعالیٰ کے کمالات سے گنا جاتا ہے۔ بخلاف گونگے آدمی کے (کہ اس کی کوئی تعریف نہیں کرتا) اور صفت کمال کی یہی ہے۔ کہ جھوٹ بولنے پر قادر ہو۔ اور کسی مصلحت کی بنا پر نہ بولے۔

دیوبندیوں کے تیسرے امام مولوی رشید احمد گنگوہی کے نزدیک بھی یہی عقیدہ درست ہے۔ کہ خدا جھوٹ بولنے پر قادر ہے۔

امکان کذب بایں معنی کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس کے خلاف وہ قادر ہے مگر اختیار خود اس کو نہ کرے گا۔ یہ عقیدہ بندہ کا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ اوّل مطبوعہ مطبع برقی دہلی ص۱۰)۔

اسی فتاویٰ رشیدیہ حصہ اوّل پر لکھتے ہیں۔

الحاصل امکان کذب سے مراد دخول کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔

اسمٰعیل و رشید کے بعد صدر دیوبندی مولوی محمود الحسن کا عقیدہ ملاحظہ فرمائیں۔

کذب متنازعہ فیہ صفات ذاتیہ میں داخل نہیں بلکہ صفات فعلیہ میں داخل ہے۔ الجہد المقل حصہ اول ص۴۰

مولوی محمود الحسن مذکور کے خیال میں بلکہ دیگر افعال قبیحہ کو بھی مقدور باری تعالیٰ سے خارج نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ان کا دعویٰ ہے۔ کہ

افعال قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ مقدور باری جملہ[1] اہل حق تسلیم کرتے ہیں۔ الجہد المقل حصہ اول صفہ ۴۱)

عقیدۂ امکان کذب کی رد میں بس اتنا ہی کافی ہے۔ الکذب نقص والنقص علیہ محال۔ کذب عیب ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات عیوب ونقائص سے پاک ہے۔ تمام اہل اسلام کا یہی عقیدہ ہے سوائے اس ایک فرقہ کے۔

بہر کیف یہ ہے۔ دیوبندی حضرات کا عقیدہ توحید جس کے در پردہ دھکے تمام مسلمانوں کو کافر مشرک اور بدعتی کہنے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ عقیدہ توحید کے بعد عقیدہ نبوت کی اہمیت سے کسی مسلمان کو انکار ہے نہ ہو سکتا ہے۔ جو صحیح ترین یہ ہے۔ کہ آدم سے لیکر خاتم تک ہر نبی اور رسول کو برحق ماننا۔ تمام مخلوق سے افضل واشرف اور اعلم واکرم سمجھنا۔ اور ہر وہ صفت کمال جو اللہ تعالیٰ .... کی کسی مخلوق میں ہو سکتی ہے۔ ان صفات سے بدرجہ اتم متصف تسلیم کرنا اور ہر نقص وعیب سے ان کے دامن عصمت وطہارت کو پاک بلا از مہد تا لحد ہر معاصی سے معصوم اور ہر خطا سے محفوظ جاننا۔ ان کی تعظیم اور تکریم اطاعت اور فرمانبرداری کو واجب اور عین ایمان ماننا۔ اور ان کی معمولی سے معمولی تقصیر اور ادنیٰ سے ادنیٰ توہین وتذلیل کو موجب کفر وشرک جاننا۔

ختمی مرتبت سرکار رسالت احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل الانبیاء۔ سید المرسلین، شفیع المذنبین اور خاتم النبیین ہونے پر کامل یقین رکھنا صرف یہی نہیں بلکہ قضائے حاجات۔ غوثیات دفع بلیات۔ اور دیگر تمام دینی اور دنیوی مصائب اور مشکلات میں توسل[2] اور استشفاع حاصل کرنا۔ مگر یہ فرقہ انبیاء کی حرمت کا کوئی لحاظ نہیں رکھتا۔ جس کا واضح ثبوت ان کے پیر پیشوا مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کی مشہور ومعروف تصنیف تقویت الایمان کے صفحہ ۵ کی عبارت ذرا ور یقین جان لینا چاہیئے کہ ہر مخلوق چھوٹا ہو یا بڑا اللہ کی شان کے آگے چمار کی طرح ذلیل ہے اسے ملتا ہے۔ اس سے بڑھ کر بھی توہین وتذلیل انبیاء علیہم السلام کا اور کوئی پہلو نکل سکتا ہے۔ کہ خدا کی اس معزز ترین مخلوق کو چمار سے (جو کہ بھار

---

[1] اہل حق سے مولوی صاحب کی مراد سوائے علماء دیوبند کے اور کون ہو سکتا ہے۔ [2] فرقہ شیعہ تمام انبیاء ومرسلین عباد الصالحین کے ساتھ توسل اور ان سے طلب شفاعت کرنے کو بالعموم اور سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کیساتھ توسل حاصل کرنے کو بالخصوص صرف جائز ہی نہیں اک واجب ولازم سمجھتا ہے۔

میں ایک طرح کی گالی ہے۔ نسبت دی جائے۔ معاذ اللہ۔

ستم بالائے ستم تو یہ ہے۔ کہ فرقہ وہابیہ مرزائیوں کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کا اقراری نہیں۔ چنانچہ ان کے امام دوم مولوی محمد قاسم نانوتوی اپنی کتاب تحذیرالناس مطبوعہ دیوبند کے صفحہ نمبر۳ پر رقم طراز ہیں۔

۱۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا۔ بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا۔ کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

پھر اسی کتاب کے ص۱۴ پر لکھتے ہیں۔

۲۔ اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے۔ جو میں نے عرض کیا ہے تو آپ کا خاتم ہونا۔ انبیائے گذشتہ کی نسبت خاص نہ ہوگا۔ بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور نبی ہو جب آپ کا خاتم ہونا بدستور رہتا ہے۔

مولانا نانوتوی کے اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اگر خاتم النبیین کے معنی یہ لیئے جائیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے پچھلے (آخری) نبی ہیں۔ تو اس میں یہ خرابی لازم آئے گی۔ کہ آپ اس صورت میں صرف ان انبیاء کے خاتم ہیں۔ جو آپ سے پہلے گذر گئے۔ لیکن اگر خاتم النبیین کے معنی یہ لیئے جائیں۔ جو میں نے بیان کئے ہیں۔ کہ حضور بغیر کسی دوسرے کے واسطے کے اپنی ذات سے خود بخود نبی ہیں تو اس میں خوبی یہ ہے کہ اگر آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو تو پھر بھی حضور ویسے ہی خاتم النبیین رہیں گے۔

چنانچہ اپنے مندرجہ بالا عقیدہ کے متعلق تحذیرالناس کے ص۲۴ پر رقم طراز ہیں۔

۳۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصرہ کسی اور زمین میں بھی فرض کیجئے، اس زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے۔ خاتم النبیین صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نہیں بلکہ:۔

۴۔ ہر زمین میں اس زمین کے انبیاء کا خاتم ہے۔ (تحذیرالناس مولوی محمد قاسم نانوتوی ص۳۰)

پھر اسی کتاب (تحذیر الناس صـ۳۱) پر ہے۔

۵۔ ہر زمین کی حکومت نبوت اس زمین کے خاتم پر ختم ہو جاتی ہے۔ جیسے ہر اقلیم کا بادشاہ باوجودیکہ بادشاہ ہے لیکن بادشاہ ہفت اقلیم کا محکوم ہے ایسے ہی ہر زمین کا خاتم اگرچہ خاتم ہے۔ پر ہمارے خاتم النبیین کا تابع ۔"

۶۔ درباره وصف نبوت فقط اسی زمین کے انبیاء علیہم السلام ہمارے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح مستفید اور مستفیض نہیں۔ جیسے آفتاب سے قمر و کواکب باقیہ بلکہ اور زمینوں کے خاتم النبیین بھی آپ سے اسی طرح مستفید اور مستفیض ہیں۔ تحذیر الناس صـ۳۱)

تحذیر الناس کی مذکورہ عبارات اور مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب کشتی نوح مطبوعہ قادیان صـ۲۳ کی اس عبارت۔

"خدا ایک ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا نبی ہے۔ اور وہ خاتم الانبیاء ہے۔ اور سب سے بڑھ کر ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں۔ مگر وہی جس پر بروزی طور پر محمدیت کی چادر پہنائی گئی۔ کیوں کہ خادم اپنے مخدوم سے جدا نہیں۔ اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے۔ پس جو کامل طور پر مخدوم میں فنا ہو کر خدا سے نبی کا لقب پاتا ہے وہ ختم نبوت میں خلل انداز نہیں ہوتا۔"

کو دیکھنے کے بعد اس امر میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کہ مولانا نانوتوی اور مرزا قادیانی کے عقیدہ ختم نبوت سوائے اُس کے اور کیا فرق ہے۔ کہ مرزا قادیانی نے اس عقیدہ کی بنا پر نبوت کا دعویٰ کر دیا لیکن نانوتوی صاحب کھلم کھلا تو ایسا نہ کر سکے۔ مگر دبی زبان سے بعض اوقات اپنے اوپر نزول وحی کی سی کیفیت طاری ہونے کو تسلیم کر لیا جس کی تصدیق مولوی مناظر احسن گیلانی کی تصنیف سوانح قاسمی کی اس روایت سے ہوتی ہے۔

(روایت) ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے شکایت کی کہ:۔

جہاں تسبیح لے کر بیٹھا بس ایک مصیبت ہوتی ہے۔ ایسی گرانی کہ جیسے سو سو من کے پتھر

کسی نے رکھ دیئے ہوں۔ زبان و قلب بستہ ہو جاتے ہیں۔

جواب بزبان حاجی امداد اللہ صاحب۔

یہ نبوت کا آپ کے قلب پر فیضان ہوتا ہے اور یہ وہ ثقل ہے۔ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا۔ ہم سے حق تعالیٰ کو وہ کام لینا ہے جو نبیوں سے لیا جاتا ہے۔ (سوانح قاسمی)

مرید کی عرضداشت پر پیر کے اس ارشاد گرامی کے بعد مرید اگر دعویٰ نبوت نہ بھی کرے۔ تو بھی حاصل مدعا اظہر من الشمس ہے۔

نانوتوی صاحب کے دیوبندیوں کے مشہور و معروف شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری کا نمبر آتا ہے۔ شیخ التفسیر نے ایک طرف مرزائی نبوت کی تصدیق کی اور دوسری طرف خود نبی ہونے اور نزول وحی کی منفعتوں سے سرفراز ہونے کا دعویٰ کیا:۔ فرماتے ہیں۔

مرزا غلام احمد اصل میں تو نبی ہی تھے لیکن میں نے اُن کی نبوت کشید کر لی اور اب یہ نبوت مجھے وحی کی منفعتوں سے نواز رہی ہے۔ (ماہنامہ تجلی دیوبند ماہ جنوری ۱۹۵۶ء)

بات صرف حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت ایسی صفت خاص پر ہی ختم نہیں ہوئی بلکہ ان کے مشہور و معروف اور مقتدر عالم مولانا رشید احمد گنگوہی تو رحمۃ اللعالمین کو بھی آپ کی صفت خاصہ تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ ایک استفتاء (کیا فرماتے ہیں علماء دین۔ کہ لفظ رحمت اللعالمین مخصوص آنحضرت صلعم سے ہے یا ہر شخص کو کہہ سکتے ہیں۔) کے جواب میں لکھتے ہیں۔

لفظ رحمت اللعالمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہیں ہے (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۹)

مولانا گنگوہی کے اس فتویٰ سے صاف ظاہر ہے کہ رحمت اللعالمین کی صفت صرف آنحضرت صلعم سے ہی مختص نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس صفت سے متصف کیا جا سکتا ہے۔ جس کا واضح ثبوت افاضات الیومیہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت گنگوہی صاحب کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر ملی۔ کئی روز تک حضرت مولانا گنگوہی صاحب کو دست آتے رہے۔ اس قدر صدمہ اور رنج

ہوا۔ بظاہر یہ معلوم نہ تھا۔ کہ اس قدر محبت حضرت کے ساتھ ہو گی۔ حضرت گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت کی نسبت رحمۃ اللعالمین فرماتے تھے۔ (افاضات الیومیہ (مولانا اشرف علی تھانوی) ج ۱ ص۱۵۱)

صرف حاجی امداد اللہ صاحب ہی بقول تھانوی صاحب رحمۃ اللعالمین نہ تھے۔ بلکہ مفتی محمد حسن صاحب دیوبندی بھی رحمۃ اللعالمین تھے۔

آج نماز جمعہ پر یہ خبر جانکاہ سُن کر دل حزیں پر بڑی سخت چوٹ لگی۔ کہ رحمۃ اللعالمین مفتی محمد حسن دیوبندی دنیا سے سفرِ آخرت فرما گئے۔ "تذکرہ حسن" ماہنامہ تجلی دیوبند ماہ فروری ۱۹۶۲ء "

اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشادات ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین کو صریحاً پس پشت ڈال کر آنحضرت صلعم کی ہر دو صفاتِ خاص سے رو گرد انی کرنا اور رحمۃ اللعالمین صفت خاص آنحضرت صلعم سے اپنے علماء (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور مولوی محمد حسن دیوبندی) کو متصف کرنا۔ یہ صرف دیوبندی حضرات کا دل گردہ ہے۔ ورنہ کسی دوسرے مسلمان کو نہ ایسی جرأت ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ نہ آئندہ انشاء اللہ ہو سکے گی۔ بہر حال اہل اسلام کے خلاف یہ ایک سازش تھی جس کو کامیاب کرنے کے لئے بانی دیوبند نے خاتم النبیین کے معنی بدلے اور مرزائے قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ وہابی اور مرزائی صرف تفسیر شان نبوت میں ہی ہم نفس نہیں۔ بلکہ آنحضرت صلعم کے اہل بیت ازواج اور صحابہ کی توہین و تنقیص میں بھی ہم آہنگ ہیں۔

شاہ اسمٰعیل شہید اپنی کتاب صراط مستقیم میں سید احمد شہید کے متعلق اپنی خواب کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

کہ ایک دن ولایت مآب حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور جناب سیدۃ النساء فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہٗ کو خواب میں دیکھا۔ پس جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ نے آپ کو اپنے ہاتھ مبارک سے غسل دیا۔ اور آپ کے بدن کی خوب اچھی طرح سے شست وشوکی، جس طرح والدین اپنے بیٹوں کو نہلاتے اور شست وشو کرتے ہیں۔ اور جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے نہایت عمدہ اور قیمتی لباس اپنے ہاتھ مبارک سے آپ کو پہنایا۔ (صراطِ مستقیم (اردو) ص۳۰۷)

مولوی شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی کے قلم سے ایک دیوبندی مولوی فضل الرحمان کا خواب ملاحظہ فرمائیں۔

ہم ایک دفعہ بیمار ہو گئے، ہم کو مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ ہم نے خواب میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھا۔ انہوں نے ہم کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ در ہم اچھے ہو گئے۔

(افاضات الیومیہ ج ۶ صے ۳۷)

دیوبندیوں کے ساتھ مرزا قادیانی کی جرأت جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی توہین کے بارے میں ملاحظہ کیجئے۔

ایک دن جب عشا کی نماز سے فارغ ہوا۔ اس وقت نہ تو مجھ پر نیند طاری تھی اور نہ ہی کوئی بے ہوشی کے آثار تھے۔ بلکہ بیداری کے عالم میں تھا۔ اچانک سامنے سے آواز آئی۔ آواز کے ساتھ دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ تھوڑی دیر میں دیکھتا ہوں کہ دروازہ کھٹکھٹانے والے جلدی جلدی میرے قریب آرہے ہیں بے شک یہ پنجتن پاک تھے یعنی علی ساتھ اپنے بیٹوں کے اور دیکھتا ہوں۔ کہ فاطمۃ الزہرا نے میرا سر اپنی ران میں رکھ لیا۔ اور میری طرف گھور گھور کر دیکھنا شروع کیا۔ (آئینہ کمالات اسلام (مرزا غلام احمد قادیانی) صے ۴۲۳)۔

اب آپ خود انصاف فرمائیں کہ اس سے بڑھ کر جگر گوشہ رسول قدیر، زوجہ جناب امیرؑ مادر گرامی حضرت شبیرؑ و شبرؑ حضرت خاتون جنت سیدالنساء العالمین فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اور کوئی توہین ہو سکتی ہے۔ چادر تطہیر کی وارث وہ مستور جن کے پردہ سے دنیا نے پردہ سیکھا، وہ غیروں کو گلے لگائے لباس پہنائے اور سر اپنی ران مبارک پر رکھے۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ من خذا فاتھم)

امہات المومنین ازواج رسول کی شان میں گستاخی۔

مولوی عطا اللہ شاہ بخاری نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ آج مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی کے دروازے پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبرا آئیں۔

ارے دیکھو ام المومنین عائشہ دروازے پر تو کھڑی نہیں۔ (سید عطا اللہ شاہ بخاری (شورش کاشمیری مرحوم) صے ۱۹۹)

نواسہ رسولؐ جگر گوشۂ بتولؑ۔ فرزند حیدر کرارؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کی توہین۔

مرزا غلام احمد قادیانی کہ

کربلا است سیر ہر آنم

صد حسین است در گریبانم

در ثمین (غلام احمد قادیانی) صا۱۷

مرزا قادیانی کے بعد دیوبندی مولوی مولانا محمد حسین علی واں بچھراں (استاد محترم مولوی غلام اللہ خان راولپنڈی) کی حضرت سید الشہداءؑ امام حسین علیہ السلام کے شان اقدس میں گستاخی پر نگاہ کیجئے۔

مولوی حسین علی صاحب اپنی تفسیر (بلغۃ الحیران) میں آیہ مبارکہ افمن یمشی مکبا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

جس نے اس حکم کے خلاف کیا۔ مثال اس کی اُس شخص کی ہے۔ جو فکر سے نہ چلے۔ بلکہ اپنے آباؤ اجداد کے طریقے پر خلاف راہِ ہدایت سوا سوچنے کے چلے۔ جدھر اس کا منہ آجائے ادھر ہی چلا جائے۔ ادھر ہی چلا جائے۔ اور جو دوسرا شخص جو اس کے مقابلہ میں یمشی مکبا ہو کر نہیں چلتا بلکہ سویاً ہو کر چلتا ہے۔ اور علی وجہ ہو کر یعنی جدھر منہ آجائے نہیں چلتا۔ بلکہ صراط مستقیم دیکھ کر چلتا ہے۔ ان دونوں شخصوں میں کون اھدیٰ ہو گا۔

کور کورانہ مرو در کربلا

تا نیفتی چوں حسینؑ اندر بلا

بلغۃ الحیران (مولوی حسین علی) صد ۲۹۹)

مولانا رشید احمد گنگوہی کے نزدیک حسینؑ کا ذکر کرنا ہی حرام ہے۔

امحرم میں ذکر شہادت حسین علیہم السلام اگرچہ بروایت صحیح ہی ہو۔ یا سبیل لگانا شربت پلانا، یا چندہ سبیل اور شربت میں دینا یا دودھ پلانا۔ سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ صد ۱۱۳)

اگر ذکر حضرت امام حسین علیہ السلام محض تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے تو پھر دیوبندیوں کو چاہیئے کہ نمازیں پڑھنا روزے رکھنا اور حج کرنا بھی چھوڑ دیں کیونکہ یہ تمام عمل تو رافضی بھی کرتے ہیں۔ اسی

طرح مسجدیں بنانا بھی ترک کر دیں کیونکہ مسجدیں وہ بھی بناتے ہیں۔

۲۔ سوال:۔ غم کرنا امام حسینؓ کا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ غم اس وقت تھا جب آپ شہید ہوئے۔ تمام عمر غم کرنا کسی کے واسطے شرع میں حلال نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص ۱۱۳)

دیوبندیوں کی عادت ہے کہ وہ جس چیز کو انبیاء اوصیاء اور اولیاء کے حق میں تسلیم نہیں کرتے اس کو اپنے علماء کے لئے ماننے سے ذرا بھر نہیں ہچکچاتے۔ چنانچہ ایک طرف حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذکر کرنے اور غم منانے کو حرام سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف مولوی رشید احمد کا سوگ منانے نوحہ و ماتم کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ شیخ الہند صدر دیوبند مولانا محمود الحسن کا مرثیہ جو مولوی رشید احمد گنگوہی کی موت پر لکھا گیا۔

؎ طفیل مرشد عالم رشید الدین والملتہ!

نکل جائے غم میں دم بانور ایمانی

ہزاروں غم ہیں دنیا میں بتائیں نام کس کس کا

غم مرشد ہے پر مرشد غموں کا یہ وحدانی

جہاں تھا خندہ شادی وہاں ہے نوحہ و ماتم

جو تاج و خسرو تھا آج ہے کشکول سلمانی

(مرثیہ امن تصنیف مولوی محمود الحسن)

دیکھا غم منانا نوحہ و ماتم کرنا جو نواسہ رسول کے لئے حرام ہے۔ وہ جناب گنگوہی کے لئے جائز ہے۔

خامہ انگشت بدنداں اسے کیا لکھیئے

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے۔

اس کے برعکس علماء اہل سنت کا عقیدہ ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔

در تمام دو سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد می شوند۔ یکے مجلس در ذکر وفات شریف و دوم در ذکر شہادت حسینؑ۔ اوّل کہ مردم روز عاشورہ یا یک دو روز پیش ازیں قریب چار صد جمع شوند۔ ذکر و فضائل حسینؑ در حدیث وارد شد در بیان می آید نیز مذکور می شود خواہہائے

متوحش کہ حضرت ابن عباس و دیگر صحابہ دیدہ اند و دلالت بر فرط حزن واندوہ روح مبارک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میکند۔ مذکور گردد، و لبعد از آں ختم قرآن مجید و پنج آیت خواندہ بر ماحضر فاتحہ نمودہ می آید۔ (فتاویٰ عزیزی حصہ اوّل (مطبوعہ مجتبائی) صہ ۱۰۵)

دیوبندی سیاست

دیوبندی (وہابی) جو اپنی دین سے وابستگی اور عقاید کی پختگی کا ڈھنڈورا پیٹتے نہیں تھکتے۔ اپنے سے زیادہ کسی مسلمان کو ایماندار نہیں جانتے۔ ان کے مذہب اور عقائد کے اپریشن کے بعد ان کے سیاسی نظریات کی نقاب کشائی بھی لازم ہے۔ تاکہ ان کی ملک و ملت سے دشمنی اور غداری کی داستانیں سر ایدہ نہ رہیں۔ اور عامۃ المسلمین کو ان کی سیاسی تخریب کاریوں کا بھی کما حقہٗ علم ہوجائے۔ کیونکہ اللہ کے فرمان فَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کے مطابق معاشرہ کے تحفظ اور بقا کی خاطر مذہبی اور سیاسی تمام تخریبی حرکات کی مدافعت شرعاً اور اخلاقاً ہر طرح سے جائز ہے۔

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے۔

تاریخ ہند کے انگریزی دور کے ورق گردانی کرنے سے دیوبندی حضرات کی ملک و قوم سے غداری، مغلیہ خاندان کی حکومت سے دشمنی اور ایسٹ انڈیا کمپنی سے وفاداری کا نقشہ کمپنی کے ابتدائی ایام حکومت سے صاف صاف نظر آنے لگتا ہے۔

انگریز نے ہندوستان میں قدم رکھتے ہی تاڑ لیا۔ کہ جب تک مسلمان مغلیہ حکومت سے وابستہ رہیں گے اس وقت تک ہمارے لئے یہاں قدم جمانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ لہٰذا جس طرح بھی ممکن ہو مسلمانوں کو مغلوں سے الگ کیا جائے۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی اولین کوشش کے نتیجہ میں سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل دہلوی کو ڈھب پر لایا گیا۔ اور مغلیہ حکومت سے مسلمانوں کو بدظن کرنے اور مغلوں کی حمایت سے باز رکھنے کا اہم کام ان کے سپرد کیا گیا۔

ان دونوں بزرگوں نے انگریز کی سوچی سمجھی سکیم کے مطابق مسلمانوں کو مغلیہ حکومت کی نصرت و حمایت سے الگ رکھنے اور ان کی نگاہوں کو انگریز کی مخالفت سے ہٹا کر سکھوں سے الجھانے کے لئے پنجاب میں سکھوں کی شورش سے فائدہ اٹھایا۔ اور اپنی تقریروں اور تحریروں میں سکھوں کی جبرہ دستیوں اور ظلم وستم کی داستانیں رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کرنا شروع کر دیں۔ اور مسلمانوں کو مغلوں کی حمایت اور انگریزوں کی مخالفت سے باز رکھنے کے لئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "ما صرف باد رازمویان (سکھ) جریان مقابلہ ایم نہ با کلمہ گویاں ونہ با سرکار انگریزی" (ترجمہ) ہمارا مقابلہ نہ کلمہ گو (مسلمانوں) سے ہے۔ اور نہ انگریزوں سے۔ ہمارا مقابلہ صرف لمبے بالوں والے سکھوں سے ہے۔ اور صاف صاف اقرار کرتے ہیں کہ ودونہ با سرکار انگریزی مخاصمت نداریم نہ بہیچ راہ منازعت (ترجمہ) ہمارا سرکار انگریزی سے نہ کوئی جھگڑا ہے نہ دشمنی (بحوالہ تاریخ عجیبہ ص۱۱ رص ۲۳)

مسلمانوں کے سکھوں سے ٹکرا جانے سے انگریزوں کو مغل حکومت کو ختم کرنے اور ہندوستان پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے کافی حد تک رکاوٹ دور ہو گئی۔ ہندوستان کے دوسرے مسلمانوں کی طرح سرحدی پٹھان بھی مغلوں کے حامی اور مددگار تھے۔ چنانچہ ان دونوں حضرات نے انگریزوں کی ایماء پر یار محمد خان کو اس وقت یاغستان کا حاکم تھا۔ کافر قرار دے کر اس کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا۔ اس نام نہاد جہاد کے متعلق تذکرۃ الرشید کے مصنف رقم طراز ہیں۔

> کہ مولانا رشید احمد گنگوہی نے انبیٹھ کے رہنے والے ایک بزرگ حافظ جانی سے روایت کی ہے۔ ہم قافلہ کے ہمراہ تھے۔ راستہ میں بہت سی کرامتیں سید صاحب سے وقتاً فوقتاً دیکھیں۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی۔ اور مولوی محمد حسن صاحب رامپوری بھی ہمراہ تھے۔ یہ سب حضرات سید صاحب کے ساتھ جہاد میں شریک تھے۔

چنانچہ سید صاحب نے پہلا جہاد مسمی یار محمد خان حاکم یاغستان سے کیا۔ (تذکرہ الرشید ج ۲ ص ۲۷۰)

مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ صادر کرنے اور اہل اسلام کے خلاف علم جہاد بلند کرنے والے علماء کی زبانیں انگریز کے خلاف اسی قسم کا فتویٰ صادر کرنے پر گنگ کیوں ہو جاتی تھیں۔ انگریز کے خلاف علم جہاد بلند کرنے سے ان کے ہاتھ شل ہو جاتے تھے۔ ایک دیوبندی مورخ میرزا حیرت، اپنی کتاب "حیات طیبہ" ص ۲۹۶ پر لکھتا ہے۔

> کلکتہ میں جب مولانا اسمٰعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی۔ تو ایک شخص نے پوچھا۔ آپ انگریز پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے۔

آپ نے جواب دیا۔ ان پر جہاد کرنا کسی طرح سے واجب نہیں۔ ایک تو ہم ان کی رعیت ہیں۔ دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح آزادی ہے۔ بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہوا۔ تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں۔ اور اپنی گورنمنٹ برطانیہ پر آنچ نہ آنے دیں۔

مولانا شاہ اسمٰعیل مذکورۃ الصدر فتویٰ کے بعد مولانا سید احمد بریلوی کا لوگوں کو انگریزوں کی مخالفت سے منع کرنے کا ایک واضح ثبوت۔ جس کو منشی جعفر تھانیسری نے تواریخ عجیبہ کے صد ۲۳۶ پر یوں بیان کیا ہے۔

آپ کی سوانح عمری اور مکاتیب میں بیس سے زیادہ ایسے مقام پائے گئے ہیں۔ جہاں کھلے اور اعلانیہ طور پر سید صاحب نے بدلائل شرعی اپنے پیرو لوگوں کو سرکار انگریزی کی مخالفت سے منع کیا۔

تواریخ عجیبہ کے صفحہ ۲۴۴ کی عبارت "پنجاب میں اس وقت ایک ایسی عادل اور بے ریا گورنمنٹ کی عملداری ہے۔ کہ جس سے کسی طرح مخالفت جائز نہیں۔" سے صاف ظاہر ہے کہ ان وہابی علماء کے نزدیک انگریز کی حکومت عادل اور بے ریا حکومت تھی، اور اُن سے بغاوت اسلام کے خلاف سمجھتے تھے۔

ان تواریخی شواہد کے بعد دیوبندیوں کے پیشوا مولانا سید احمد شہید کے انگریزوں کے آلہ کار اور ایجنٹ ہونے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ سید صاحب گورنمنٹ برطانیہ کے پر خلوص اور وفادار دوست تھے۔ انگریزی اقتدار کے قیام کے لئے جان تک کی بازی لگائے تھے۔ اسی لئے انگریز بھی ان کی ہر ممکن مدد کر رہے تھے۔ مولانا ابوالحسن ندوی اپنی مشہور و معروف "تصنیف" سیرۃ سید احمد" کی جلد نمبر ا کے صفحہ نمبر ۱۹۰ پر لکھتے ہیں۔

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں میں کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا! پادری صاحب کہاں ہیں۔ حضرت نے کشتی پر سے جواب دیا کہ میں یہاں ہوں۔ انگریز گھوڑے سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لئے کشتی پر پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کرائے تھے۔ کہ آپ کی اطلاع کریں۔ آج انہوں نے اطلاع دی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت قافلہ کے ساتھ آج تمہارے مکان کے سامنے پہنچیں

گے۔ یہ اطلاع پاکر میں غروب آفتاب تک کھانے کی تیاری میں مصروف رہا۔ سید صاحب نے حکم دیا۔ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے اور کھانا لے کر قافلہ میں تقسیم کر دیا گیا اور انگریز تین گھنٹے ٹھہر کر واپس چلا گیا۔

بہر حال سید صاحب نے سکھوں سے لڑ بھڑ کر اور انگریز کی وفاداری میں جان کی بازی لگا کر پنجاب فتح کیا۔ وہابی مورّخ منشی جعفر تھانیسری کے نزدیک اس تمام کارروائی کی بنیاد سید صاحب کا وہ الہام ہے جو ان کو پنجاب کی فتح کے متعلق ہوا تھا جس کو منشی صاحب نے اپنی تاریخ عجیبہ کے صہ ۱۸۱ پر یوں رقم کیا ہے۔

فتح پنجاب کے الہام کا آپ کو ایسا وثوق تھا، کہ آپ اس کو سراسر صادق اور مثل نہار سمجھ کر بار ہا فرماتے اور اکثر مکتوبات میں لکھا کرتے تھے۔ کہ ملک پنجاب ضرور میرے ہاتھ پر فتح ہوگا۔ اور اس فتح سے پہلے مجھے موت نہیں آئے گی۔

پھر اسی صفحہ پر یہ آگے چل کر لکھتا ہے۔ کہ یہ الہام اس طرح پورا ہوا۔

کہ سلطنت پنجاب متعصب اور ظالم سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر ایک ایسی عادل اور آزاد اور لا مذہب قوم کے ہاتھوں میں آگئی۔ جس کو ہم مسلمان اپنے ہاتھ پر فتح ہونا تصور کر سکتے ہیں۔ اور غالباً سید صاحب کے الہام کی صحیح تاویل بھی یہی ہو گی۔ جو ظہور میں آئی۔

یہ کتنی اچنبھے کی بات ہے کہ پنجاب فتح تو سید احمد شہید کے ہاتھوں سے ہوا۔ لیکن حکومت انگریز کی قائم ہوئی۔ چنانچہ اس معمہ کو حل کرنے کے لئے تاریخ عجیبہ کے مذکورہ بیانات کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے لئے لڑی تھی۔ اور نہ اپنی ذات کے لئے جان کو جوکھوں میں ڈالا تھا۔ بلکہ سید صاحب نے جو کچھ کیا۔ سب پنجاب میں انگریزی اقتدار کے قیام کے لئے کیا۔ یہ ایسی حقیقت ہے۔ جس کو باوجود چھپانے کے چھپایا نہ جا سکا۔ بالآخر مصنف نے یہ لکھ کر۔

کہ وہ[1] اس آزاد[2] عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے۔ اس پورے ڈرامے کا ڈراپ سین کر دیا۔ (تاریخ عجیبہ صہ ۱۸۳)

---

[1] مولانا سید احمد شہید۔

[2] برٹش حکومت۔

ہندو دیوبندی گٹھ جوڑ

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب انگریز نے ہندوستان پر مضبوطی سے قدم جما لئے تو تھوڑے عرصہ کے بعد ایک انگریز وائسرائے کی ایماء اور اشارہ پر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے نام سے ایک نام نہاد سیاسی جماعت معرض وجود میں آئی جس کے متعلق علامہ شبیر احمد عثمانی اپنی تصنیف "مکالمۃ الصدرین" کے صفحہ ۹ پر رقم طراز ہیں۔

اور برسوں یہ جماعت گورنمنٹ کی وفاداری کے راگ الاپتی رہی۔ صرف یہ جماعت نہیں بلکہ بقول علامہ عثمانی۔

کہیں تبلیغی جماعت انگریز بہادر کے سرمایہ سے وجود میں آئی۔ کہیں جمعیت علمائے اسلام اور انگریز کی رقم سے پیدا ہوئی۔ (مکالمۃ الصدرین ص۸)

بہرحال کانگریس نے "ہندو مسلم سکھ عیسائی۔ ہندی سب ہیں بھائی بھائی" کا نعرہ بلند کر کے ہر مذہب و ملت کے لوگوں کو کانگریس میں بھرتی کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ مقابلتہً ایسی کوئی جماعت نہ تھی لہٰذا ہندوستان کا ہر باشندہ بلاتمیز مذہب و ملت یہ جان کر کہ کانگریس کسی خاص مذہب یا کسی مخصوص گروہ کی جماعت نہیں۔ بلاخوف و خطر اس جماعت میں شامل ہوتا گیا۔

۱۹۰۵ء تک تو کانگریس کا یہ ڈھونگ خاصہ کامیاب رہا لیکن ۱۹۰۵ء کی ابتداء ہی میں بعض مسلمان اکابرین نے ہندو ذہنیت کا پوری طرح سے تجزیہ کرنے کے بعد یہ سمجھ لیا۔ کہ کانگریس جو ہندو اکثریت کی جماعت ہے اس کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے اور بے بنیاد ہے۔ کہ کانگرس ہندوستانیوں کی ترجمان ہے۔ اس کا کسی مذہب یا فرقہ سے کوئی واسطہ نہیں اس کے برعکس کانگریس کٹر ہندو جماعت ہے۔ اور وہ صرف ہندوؤں کی نمائندہ ہے مسلمانوں کو اس سے بھلائی کی امید رکھنا قطعاً غلط ہے۔

لہٰذا ۱۹۰۶ء میں نواب محسن الملک مرحوم نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر کانگریس کے مقابلہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے ایک جماعت قائم کی اس جماعت کے عالم وجود میں آتے ہی اکثر اکابرین ملت

اسلامیہ جو اچھی طرح جان چکے تھے کہ کانگریس ایک ہندو نواز جماعت ہے اس سے مسلم حقوق کے تحفظ کی امید رکھنا بہت بڑی جہالت اور نادانی ہے۔ ایسے لوگ کانگریس کا دامن جھٹک کر لیگ میں شامل ہونے لگے۔

کانگریسی نیتاؤں نے یہ دیکھ کر کہ اکثر مسلمان کانگریس کو چھوڑ کر لیگ میں شامل ہو رہے ہیں۔ اور لیگ روز بروز مسلمانوں میں مقبول ہو رہی ہے تو انہوں نے مسلم لیگ کو بدنام کرنے اور مسلمانوں کو بدظن کر کے اس میں شامل ہونے سے روکنے کے لئے لیگ کو نوابوں، راجاؤں، جاگیرداروں، زمینداروں برٹش حکومت سے خطاب یافتہ لوگوں اور انگریزوں کی پٹھو جماعت کہنا شروع کیا۔ لیکن ان کی یہ سعی لاحاصل رہی۔ اور ہندو کے اس مکروہ پروپیگنڈے کے باوجود مسلمانوں کا رجحان لیگ کی طرف بڑھتا گیا۔

مسلم لیگ کی مسلمانوں میں حد درجہ مقبولیت کو دیکھ کر ہندو کانگریسی زعماء بوکھلا گئے۔ تو انہوں نے لیگ کو فیل کرنے کے لئے ایک حربہ استعمال کیا۔ چنانچہ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد جمعیت العلماء ہند کے مفتی کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی مجلس احرار اسلام ہند کے چوہدری فضل حق اور مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری کو زر نقد سے خرید کر ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شمولیت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ کانگریس اور ان بزرگوں کے اس گٹھ جوڑ کو دیکھ کر مولانا ظفر علی خان روزنامہ زمیندار لاہور کے مالک و مدیر نے جو اس وقت تک خود بھی احراری تھے۔ کہا تھا ؎

نہرو جو ہے دولہا تو دلہن مجلس احرار

ہو پیر بخاری کو عروسی یہ مبارک

ہندوؤں سے نہ سکھوں سے نہ سرکار سے ہے

گلہ رسوائی اسلام کا احرار سے ہے

آج اسلام اگر ہند میں ہے ذلیل و خوار

یہ سب ذلت اسی طبقہ غدار سے ہے

(چمنستان مولانا ظفر علی خان ص ۱۴۵)

مفتی کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی اور مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے دیوبندی (وہابی) علماء کا ہندوؤں سے گٹھ جوڑ کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ اور نہ ہی یہ کوئی نئی بات ہے۔ ان کی اپنے پیشرو علماء سے یہ سنت چلی آرہی ہے۔ سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید اور ان کے دہابی پیروکار

نے مغل حکومت اور عامتہ المسلمین سے الگ ہو کر انگریز کا ساتھ دیا۔ اور ہر آڑے وقت میں ان کے کام آئے ہر مشکل میں ان کی مدد کی چنانچہ رئیس احمد جعفری "تاریخ بہادر شاہ ظفر" کے ص۲۰۱ پر بحوالہ تاریخ عجیبہ ان کے مریدوں اور معتقدوں کے لکھتے ہیں۔

عین بغاوت ۱۸۵۷ء کے عام فتنہ کے وقت بجائے بغاوت اور فساد کے وہابیوں نے انگریزوں کی میم بچوں کو باغیوں کے ہاتھ سے بچا کر اپنے گھروں میں چھپا رکھا تھا۔

بہر کیف دین اور وطن کی آزادی کے لئے جب مسلمان انگریزی سامراج کے خلاف متحد ہوئے اور اپنے لئے ایک علیحدہ وطن بنانے کی جدوجہد شروع کی۔ اس وقت جمعیت العلماء ہند اور مجلس احرار اسلام ہند نے مسلمانوں کے خلاف ہندو کانگریس کا ساتھ دیا۔ چنانچہ پنجاب کے کئی اضلاع جو ہندوستان کے بٹوارہ میں ہندوؤں کو ملے یہ ان مذکورہ بالا جماعتوں کے کانگریس سے گٹھ جوڑ اور امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی کانگریس سے وابستگی کا نتیجہ ہے۔ اگر اس وقت یہ دو جماعتیں اور مسلمانوں کے عظیم مذہبی اور سیاسی لیڈر مولانا آزاد کانگریس سے الگ ہو کر پاکستان کے مطالبہ میں مسلم لیگ کا ساتھ دیتے تو انگریز کو مشرقی پنجاب الگ کر کے ہندو کو بخشنے کی ہرگز جرأت نہ ہوتی۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ جمعیت العلماء اور مجلس احرار سے منسلک علماء ہندو کانگریس کے وظیفہ خوار تھے۔ تو وہ غلط تو نہیں کہتے۔ دیوبندی علماء جن کے سرگروہ اور پیر طریقت مولانا حسین احمد مدنی تھے؟ کے علم شریعت و طریقت کی سربلندی کے متعلق قاضی مظہر حسین صاحب اپنی کتاب "مودودی مذہب" کے ص۱۷۵ پر عظمت مدنی کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔

> بروایت مولانا محمد یوسف بنوری دام مجدہم (کراچی) حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے دارالعلوم دیوبند کے ایک اجلاس میں حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی موجودگی میں یہ فرمایا تھا۔ کہ بھائیو اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ میرے علم میں بسیط ارض پر شریعت و طریقت و حقیقت کا حضرت مولانا مدنی سے بڑھ کر اور کوئی عالم نہیں۔

ہمیں مولانا مدنی کے علمی پایہ کی بلندی سے انکار نہیں۔ مگر روزنامہ نوائے وقت مجریہ منگل ۲۹ جولائی ۱۹۷۵ء کے سرِ راہے کے کالم میں شائع ہونے والے ایک نوٹ کو پڑھیئے۔

علم نافع کو ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نہ صرف انسانی زندگی کے لئے برکت قرار

دیا ہے۔ بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ مرنے کے بعد بھی علم نافع چھوڑ جانے والے برکت و رحمت کا حق دار ہوتا ہے اور بقول مولانا روم ؎

علم را بر دل زنی یارے بود

علم را بر تن زنی مارے بود

متحدہ ہندوستان میں اکثر و بیشتر علماء کرام نے علم اور دل میں تو لمبے لمبے فاصلے پیدا کر لیے اور علم اور تن کی یک جائی کو اتنی اہمیت دی کہ علم ان کے حق میں "العلم حجاب الاکبر" بن گیا۔ نیتوں کا حال تو خدا ہی جانتا ہے اور یوں بھی مسلمان کسی مسلمان کی نیت پر شک کرنے کو بُرا ہی سمجھتا ہے اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان علماء کرام نے فیصلے کی غلطی ضرور کی ہے۔ جب انہوں نے کفر و ایمان کا ایک آمیزہ اپنے ذہن میں تیار کر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک متحدہ قومیت کا نعرہ لگایا تو حضرت اقبالؒ نے اس پر فرمایا تھا ؎

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ ۔ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است ۔ چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است ۔ !

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ۔ اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

(ترجمہ: عجم (غیر عرب) نے ابھی تک دین کی رمز کو نہیں سمجھا، ورنہ دیوبند جیسے ادارے کے حسین احمد صاحب کا یہ کہنا ایک بوالعجبی ہے کہ قوم وطن سے بنتی ہے اور ان کا یہ کہنا مقام محمد عربی سے بے خبری کی دلیل ہے۔ اپنے آپ کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک پہنچا۔ اگر تو وہاں نہ پہنچا تو پھر تیری زندگی بولہبی کے مترادف ہے۔

متحدہ ہندوستان میں جب اسلامیان ہند مسلم لیگ کے جھنڈے تلے متحد و متفق ہو کر "دو قومی نظریہ" کا فارمولا پیش کر کے پاکستان کا مطالبہ کر رہے تھے۔ تو دیوبندی علماء جن کے سرگروہ مولوی حسین احمد مدنی تھے۔ دو قومی نظریہ کی رد میں ہندو مسلم متحدہ قومیت کا نعرہ بلند کر کے پاکستان دشمنی کا مظاہرہ کر رہے تھے چنانچہ جن ایام میں پاکستان کے خلاف دھواں دھار تقریریں ہو رہی تھیں، انہی ایام میں حضرت مدنی نے

لہ ابولہب حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کافر چچا۔

ایک تقریر میں کہا۔

آج قومیں مذہب اور رنگت سے نہیں بنتیں۔ بلکہ دیش (ملک) سے بنتی ہیں۔ (روزنامہ تیج ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء)

علامہ اقبالؒ ان دنوں بسترِ علالت پر تھے لیکن اس بیماری کی حالت میں بھی مدنی صاحب کی اس غلط روش پر ٹوکا اور اسی وقت اُن کی تردید میں ایک مذکورہ رباعی کے ساتھ اخبارات میں شائع کرا آپ کے اس بیان کے اخبارات میں شائع ہوتے ہی گاندھی جی کے پرستار کانگریس کے دوست دار جھاڑ کر علامہ مرحوم کے پیچھے پڑ گئے۔ مولانا حسین احمد نے علامہؒ کے بیان کے جواب میں کتاب "متحدہ قومیت اور اسلام" لکھی۔ ساتھ ہی ساتھ دیوبندی شعرا نے علامہؒ کے خلاف شعر و اشعار کا طوفان بدتمیزی کھڑا کر دیا۔ ان دریدہ دہن شاعروں نے آپ پر وہ دشنام طرازی کی۔ وہ سب وشتم کیا کہ توبہ ہی بھلی۔ چنانچہ ہم شوکت سبزواری۔ اصلح الحسینی انصاری۔ اقبال سہیل دیوبندی کے نمونۃً کچھ اشعار علی گڑھ میگزین کے اقبال نمبر مجریہ اپریل ۱۹۳۸ء سے نقل کرتے ہیں۔

شوکت سبزواری کی ہرزہ سرائی

چوں باخبر نہ از اسرار ملتِ بیضاء

ترا رسد کہ شناسی محمدؐ عربی

شگفت نیست گر شاعرے نمے داند!

مقام مطلبی از مقام ابولہبی

اصلح الحسینی کی دریدہ دہنی

حکیم مشرق در دام سوقیاں است

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

حدیث دامن یزداں و چاک داچہ لقب

چو امتثال محمدؐ عیار بولہبی است

مقام خویش نہ مراد وطعنہا یہ خطیب

ادب نگاہ نہ دارد ایں چہ بے خردی است

دیوبند شاعر نے حکیم الامت شاعر مشرق علامہ اقبالؒ جیسی شخصیت کو جس نے ہندی مسلمانوں کو آزادی کا صحیح مفہوم بتایا۔ انگریز کے پنجہ غلامی سے نجات حاصل کرنے کا راستہ دکھایا اور مسلمانوں کو ہمیشہ غلام رکھنے کی سازش کا پردہ چاک کیا۔" دردام سوقیاں" انگریز کا پرستار کہہ کر شقاوت قلبی کا مظاہرہ کیا۔

مولانا حسین احمد مدنی کو جن کی زندگی ہندو کی حمایت اور وفاداری میں گذری لا متثال محمدؐ) اور علامہ اقبالؒ کو (عیار بولہبی) سے تشبیہ دے کر ہندو آقاؤں اور کانگریسی نیتاؤں کو خوش کیا۔ بے خرد (بے عقل) تھا۔ انسان انہ کان ظلوما جھولا ہ قرآن حکیم سورۃ احزاب بے شک ظالم بھی ہے اور جاہل بھی۔

اقبال سہیل دیوبندی کی بدگوئی

نظر نہ بودن وبادیدہ ور افتادن

دوگونہ شیوہ بوجہلی است و بولہبی است

رموز حکمت ایمان ز فلسفی جستن ۔ !

تلاش عزت عرفان نہ بادہ غبی است

بہرکیف۔ کانگریسی ، احراری اور جمعیت العلماء سے وابستہ علماء پاکستان دشمنی میں مختلف مدارج رکھتے ہیں۔

ان سب کے پیش رو مولانا حسین احمد مدنی ہیں۔ جن سے بڑھ کر مسلمانوں کے مقاصد و تحفظ کے ساتھ دشمنی اور عداوت کا اظہار غالباً کسی نے نہیں کیا۔ (تحریک پاکستان اور نیشلسٹ علماءؒ ۸۸۲ مصنفہ چوہدری حبیب احمد)

اسی لئے بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان نے جو مسلکاً دیوبندی ہیں۔ مولانا حسین احمد مدنی کی مسلمانوں کے مقاصد اور تحفظ کے ساتھ دشمنی اور کانگریس نوازی کو دیکھ کر کہا تھا ۔

حسین احمد سے کہتے ہیں خزف ریزے مدینہ کے

کہ لٹو آپ بھی ہو گئے کیا سنگم کے موتی پر ؎

؎ پنڈت موتی لال نہرو۔ پنڈت جواہرلال نہرو کا پتا۔

مسلمان کا چہیتا تھہ نہ کچھ بھی اس کے کام آیا
نچھاور ہو گئی شرع نبی زر تا دھوتی پہ

(چمنستان ظفر علی خان ص ۱۸۷، ۲۰۵)

بعض خوش عقیدہ لوگوں کا خیال ہے۔ کہ جمعیت العلماء اور مجلس احرار کے سرکردہ لیڈر ہندوستان کی آزادی کے لئے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے لیکن جب ہم مولانا محمود الحسن، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، چوہدری فضل حق اور مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ کے جیلوں میں جانے کا سیاسی تجزیہ کرتے ہیں۔ تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان حضرات کا جیل جانا اسلام کے تحفظ و بقا یا مسلمانوں کی آزادی کی خاطر نہ تھا۔ بلکہ ان کا سب کیا کرایا کانگریسی نیتاؤں اور ہندو آقاؤں کی خوشنودی کے لئے تھا۔ اس کی بین دلیل یہ ہے کہ جس وقت اسلامیان ہند کی اکثریت مسلم لیگ میں شامل ہو کر ایک علیحدہ وطن پاکستان کا مطالبہ کر رہی تھی۔ تو دوسری طرف پاکستان کے مخالف جمعیت العلماء اور مجلس احرار کے دیوبندی علماء و زعماء کانگریس کا دامن تھامے بقول مولانا ظفر علی خان پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔

مسلمانو یاد رکھو!

مسلم لیگ والے سب کے سب ارباب غرض اور رجعت پسند ہیں۔ لہٰذا ووٹ کانگریسیوں کو دو۔

مسلمان تو ہندو کانگریس کی فریب کاریوں سے تنگ آکر مسلم لیگ کے ہلالی پرچم کے نیچے جمع ہو رہے تھے اور علماء دیوبند مسلم لیگ اور مسلمانوں کے خلاف فتوے جاری کر رہے تھے۔

جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر اور سؤر کھانے والے ہیں۔

ادھر اسلامیان ہند قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں حصول پاکستان کے لئے جد و جہد کر رہے تھے۔ ادھر دیوبندی جواہر لال نہرو کی خوشنودی کے لئے قائد اعظمؒ کے متعلق کہہ رہے تھے۔

دس ہزار جناحؒ نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جا سکتے ہیں۔

دیوبندیوں کی کفر کی مشین تو ہر وقت چلتی رہتی ہے۔ بالآخر اس نے قائد اعظمؒ کو بھی لپیٹ میں لے لیا اور یہ کہہ کر ان کو بھی کافر قرار دے دیا۔

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ قائد اعظمؒ ہے یا کافر اعظم

(حیات محمد علی جناح) مصنفہ رئیس احمد جعفری:

ہندو کانگریس سے وابستہ علماء کا پاکستان اور بانیٔ پاکستان کے خلاف سوائے زہر اگلنے اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ آزاد ۹ر نومبر ۱۹۴۶ء میں شائع ہونے والا ایک بیان۔

ان لوگوں کو شرم نہیں آتی۔ کہ وہ اب بھی پاکستان کا نام جپتے ہیں۔

سچ ہے، پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے جو ۱۹۴۰ء سے مسلمانوں کا خون چوس رہا ہے اور مسلم لیگ ہائی کمانڈ ایک سپیرا ہے۔ (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۴۸۸)

احراری لیڈر غصے میں بھرے ہوئے اپنی تقریروں میں پاکستان کو کبھی خاکستان اور کبھی پلیدستان کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے۔ چوہدری فضل حق احراری نے ایک تقریر میں پاکستان کو ہدف دشنام بناتے ہوئے کہا۔

کتوں کو بھونکتا چھوڑ دو۔ کاروان احرار کو اپنی منزل کی طرف چلنے دو۔ احرار وطن بیگی سرمایہ دار کا پاکستان نہیں۔ احرار اس کو پلیدستان سمجھتے ہیں۔ (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۴۸۳ بحوالہ خطبات احرار ص ۹۹)

احراریوں کے خود ساختہ امیر شریعت مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری نے پسرور کانفرنس ۱۹۴۶ء میں یہ بڑ ہانکی۔

پاکستان کا بننا تو بڑی بات ہے کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا، جو پاکستان کی "پ" بھی بنا سکے۔ (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۴۸۳)

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بخاری کے یہ الفاظ ابھی پسرور کی فضائیں گونج رہے تھے کہ اللہ کے فضل و کرم سے پاکستان بن گیا اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہی بخاری صاحب جو پاکستان کو ہمیشہ گالیاں دیتے رہے۔ ان کو سوائے پاکستان کے اور کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملی۔ حیف۔ صد حیف۔ پاکستان میں رہ کر بھی دل سے پاکستان کی نفرت نہ گئی۔ آخر دل کی بات زبان پر آگئی۔ چنانچہ تحقیقاتی عدالت کے سامنے بیان دیتے ہوئے بخاری صاحب نے کہا۔

پاکستان بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۲۷۵)

مذکورہ امیر کی ایک جھلک خود انہیں قلم سے ملاحظہ کیجئے۔ مولانا اشرف علی تھانوی اپنی مشہور معروف

تصنیف "افاضات الیومیہ" کی جلد ۶ صفحہ ۲۵۵ پر رقم طراز ہیں۔

حضرت مولانا دیوبندی اور وہ ایک موٹر میں تھے۔ اور بعض مسلمانوں لیڈر بھی موجود تھے جس وقت حضرت مولانا کا موٹر چلا۔ تو ایک اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا۔ اس کے بعد گاندھی جی کی جے مولوی محمود حسن کی جے کے نعرے بلند ہوئے۔

اللہ اکبر کا ایک نعرہ اور جیکاروں کا شور۔ افسوس یہ جو کچھ ہوا ایک مسلمان عالم کی الوداعی کے وقت ہوا، خیر یہ تو ایک معمولی بات ہے، ذرا اور آگے دیکھئے۔

حافظ بعیت اللہ دیوبندی رکن جمعیت العلماء ہند اور حضرت بابا خضر محمد سابق سرپرست جمعیت العلماء ہند کانپور نے مہاتما گاندھی کی روح کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے قرآن کریم کی آیتیں ان کی تصویر کے سامنے بیٹھ کر پڑھیں۔ اور ان کی روح کو بخش دیں (اخبار سیاست کانپور یکم فروری ۱۹۵۷ء)

نومبر ۱۹۴۶ء میں لاہور کے دو روزنامے "ویر بھارت" اور "نوائے وقت" میں یکے بعد دیگرے ایک تصویر چھپی تھی۔ جس میں ایک طرف سردار پٹیل اور اچاریہ کرپلانی بھارت ماتا کی مورتی کے سامنے ماتھا ٹیک رہے ہیں۔ اور دوسری طرف مولانا ابوالکلام آزاد اسی مجسمہ کے سامنے سربسجود نظر آ رہے ہیں۔ (تحریک پاکستان اور نیشلسٹ علماء، ص ۲۶۵)

تقسیم ہند سے کچھ عرصہ سے پہلے ترکی کی ایک خاتون خالدہ ادیب خانم ہندوستان کے دورہ پر آئیں دورہ کے بعد اپنے ملک میں پہنچ کر انہوں نے "اندرون ہند" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس میں وہ گاندھی جی کے آشرم میں گاندھی جی کی پرارتھنا (عبادت) کے متعلق واضح الفاظ میں لکھا۔

کہ ہندوؤں کی عبادت اور دیگر مشرکانہ رسوم کی ادائیگی کے وقت خان عبدالغفار خان اور بعض ہندوستانی علماء کو بھی پجاریوں میں دیکھا گیا۔ (تحریک پاکستان اور نیشلسٹ علماء مصنفہ چوہدری حبیب احمد: ص ۲۶۴)

اب اسی کتاب "تحریک پاکستان اور نیشلسٹ علماء کے ص ۸۸ کی ایک نظم پیش خاطر ہے۔ کیسی موزوں نظم ہے۔ پڑھیئے اور داد دیجئے ۔

رسول اللہ کے گھر میں یہ کیسا انقلاب آیا
کہ گاندھی جی کی کٹیا عالمانِ دین کا ڈیرا ہے۔

خدا ہی جانتا ہے حشر اس ٹولی کا کیا ہوگا
حرم سے جس کی بدبختی نے رُخ ملّت کا پھیرا ہے

یہ کہہ دو شب پرستوں سے کہ بستر تہ کریں اپنا
پھٹی ہے پَو ہوا جاتا ہوا کوئی دم میں سویرا ہے

اطلاع

آپ کی اطلاع کے لئے گذارش ہے
کہ اس کے بعد بہت جلدی "اذان" کے عنوان
پر ایک علمی شاہکار پیش خدمت کیا جا رہا ہے۔
شائقین حضرات سے گذارش ہے کہ پیشگی خریدار
بن کر ادارہ کی مدد کریں، خود پڑھیں اور اپنے سُنی
بھائیوں کی خدمت میں پیش کریں تاکہ حقیقت اذان
ہر مسلمان پر واضح ہو جائے۔

۲۔ اگر آپ ایک روپیہ فی کس ہر چھ ماہ بعد
ادارہ کو عطا کریں تو ادارہ آپ کی بہترین خدمت کرنے
کے قابل ہو سکتا ہے۔